جہان درس وتدریس کی عبقری شخصیت، عمدۃ المدرسین، سلطان الاساتذہ، شیخ القرآن

حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی کی حیات وخدمات پر ایک مختصر تحریر بنام

شیخ القرآن

حیات وخدمات

بقلم

کمال احمد علیمی نظامی

دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی۔ بستی۔ یو۔پی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جہان درس وتدریس کی عبقری شخصیت، عمدۃ المدرسین، سلطان الاساتذہ، شیخ القرآن، حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی کی حیات وخدمات پر ایک مختصر تحریر بنام

شیخ القرآن

حیات وخدمات

بقلم

کمال احمد علیمی نظامی

دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی، یوپی

حسبِ فرمائش

قمر العلما، حضرت علامہ محمد قمر عالم قادری

حسبِ خواہش

الحاج وصی الدین، الحاج بشیر الدین، الحاج شمس الدین، الحاج شہنشاہ حسین صاحبان

ناشر

دار البرکات للنشر والتوزیع، لکھنؤ

نام کتاب : شیخ القرآن حیات وخدمات

مصنف : کمال احمد علیمی، نظامی، دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی

باہتمام : الحاج وصی الدین، الحاج بشیر الدین، الحاج شمس الدین،
الحاج شہنشاہ حسین صاحبان

ناشر : دارالبرکات للنشر والتوزیع لکھنؤ

سن اشاعت: رجب ۱۴۳۸ھ مطابق اپریل ۲۰۱۷ء

صفحات: ۷۲

تعداد: ۱۰۰۰

کمپوزنگ: مولانا الحاج محمد امیر القادری استاذ، دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی
مولانا عبدالجبار علیمی نیپالی مبلغ اسلام ریسرچ سینٹر جمدا شاہی

تکنیکی معاون: حضرت مولانا غلام سید علی علیمی علیگ

برائے ایصال ثواب: والدین کریمین الحاج وصی الدین و برادران

فہرست

کلمات خیر

ادیب شہیر، حضرت علامہ فروغ احمد، اعظمی، مصباحی
صدرالمدرسین، دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی

استاذ محترم، شیخ القرآن، علامہ عبداللہ خاں عزیزی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے عہد کے ایک بہترین طالب علم اور ایک بہترین استاذ تھے، ان کی طالب علمی اور تدریسی دونوں دور ایک طالب علم کے اور ایک استاذ کے لیے آئیڈیل ہیں۔

میں نے الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں ایک طالب علم کی حیثیت سے ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۳ء تک چار سال انھیں خوب اچھی طرح دیکھا، انھیں خوب غور سے پڑھا اور ان سے بہت کچھ پڑھا اور سیکھا بھی، جو بعد میں میرے بہت کام آیا، گویا میری شخصیت سازی میں ان چار سالوں نے بڑا موثر اور مفید کردار ادا کیا۔

اشرفیہ سے فراغت کے بعد ۱۵/جولائی ۱۹۸۳ء کو بہ حیثیت استاذ میں دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی آیا (اور بلا فصل اب تک یہیں ہوں) شیخ القرآن علامہ عبداللہ خاں عزیزی بھی اتفاق سے ۱۹۸۶ء میں صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث بلکہ شیخ الکل بن کر دارالعلوم علیمیہ ہی آ گئے اور پھر ۲۰۱۱ء تک (رونا ہی کے چند سال چھوڑ کر) تقریباً ڈیڑھ دہائی تک ساتھ رہا۔

۱۹۸۳ء میں علیمیہ میں خامسہ تک تعلیم تھی، پھر ۱۹۸۶ء سے پہلے سادسہ تک تعلیم پہونچی، ۱۹۸۶ء میں شیخ القرآن کی آمد کے دو سال بعد دورۂ حدیث تک تعلیم ہو گئی۔

شیخ القرآن نے کئی سمتوں میں بڑے اخلاص اور محبت سے کام کیا اور کرایا، انتہائی باصلاحیت اور محنتی اسٹاف کی مدد اور ارکان کے خصوصی تعاون سے علیمیہ کی ترقیاتی خاکے میں ایسا رنگ بھرا کہ محض تین چار سال کے اندر علیمیہ ہندوستانی مدارس عربیہ کی دنیا میں اتنا سر بلند اور قد

آور ہو گیا کہ اس ترقی کے منارے جہاں کہیں سے دیکھو نظر آنے لگے۔

علیمیہ میں حضرت سے بہت قریب رہ کر مزید میں نے بہت کچھ تربیت پائی، تدریس کے میدان میں بھی اور تعلیمی نظم ونسق کے میدان میں بھی اور ان کی تعلیم وتربیت کے فیضان سے انہی کے خطوط پر علیمیہ کا علمی و تعلیمی ترقیاتی کارواں آگے بڑھ رہا ہے، تعلیمی امور میں آپ مجھ پر بہت اعتماد فرماتے تھے اور وقتاً فوقتاً ہر مفید مشورہ بڑی خندہ پیشانی سے قبول فرما کر عملی جامہ پہنانے کا حکم دیتے تھے، اور میں اسے اپنی سعادت سمجھ کر انجام دیتا تھا، سچی بات یہ ہے کہ اللہ کے کرم سے اور بزرگوں خصوصاً مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ اور قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ کی خصوصی دعا اور روحانی پشت پناہی سے آج دارالعلوم علیمیہ میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب شیخ القرآن کی محنتوں اور خدمتوں کا نتیجہ ہے، دارالعلوم کی درودیوار آج بھی اپنی زبان حال سے گویا ہیں کہ:

اے آمدنت باعث آبادئ ما

اللہ تعالی ان کی خدمات کو قبول فرما کر آخرت میں شیخ القرآن کو اور ہمیں سرخ رو فرمائے

۔آمین ثم آمین!

الحاج وصی الدین برادران بڑے خوش نصیب ہیں، جنھوں نے زندگی میں بھی حضرت کی کما حقہ خدمت اور قدردانی کی اور بعد وصال مزار شریف تعمیر کر کے اور یہ مختصر کتاب شائع کر کے حضرت سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

اس کے مرتب اسم بامسمّٰی، محب محترم، حضرت مولانا کمال احمد علیمی، استاذ دارالعلوم علیمیہ نے محنت کر کے بکھری معلومات کو یکجا کر دیا ہے، یہ ایک بہت اہم اور ضروری کام تھا، جو ان کی تقدیر میں تھا، اور ہوا بھی، اللہ نے چاہا تو اسی بیس پر حضرت کی سوانح نویسی کا کام آگے بڑھتا رہے گا، مولی تعالی یہ سب بھی قبول کرے۔

تقریظ جلیل

قمر العلما، حضرت علامہ محمد قمر عالم قادری صاحب

قبلہ، شیخ الحدیث دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی

حضور شیخ لقرآن ایک عہد ساز مدرس، علوم عقلیہ ونقلیہ میں ید طولی رکھنے والے جید عالم دین، اور قوم وملت کا سچا درد رکھنے والے عظیم انسان تھے۔

شیخ القرآن کی ذرہ نوازی تھی کہ میری بڑی تعریف کرتے، مجھ پر حد درجہ اعتماد فرماتے ، اور اکثر معاملات میں مجھ سے رائے مشورہ فرماتے، یہ ان کی خرد نوازی تھی، ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔

شیخ القرآن کی اکثر علمی مجلسوں میں میری شرکت رہتی تھی، آپ کی ہر مجلس علم وعرفان کی محفل ہوتی تھی، ہمیشہ مذہب ومسلک کی ترویج واشاعت کے لیے فکر مند رہتے تھے، علیمیہ کی تعمیری وتعلیمی ترقی کے لیے سوچتے رہتے تھے، اور اس حوالے سے ہمیشہ کچھ نیا کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

آج میں جو کچھ بھی ہوں اس میں میرے اساتذہ کا کردار تو ہے ہی حضور شیخ القرآن کی خاص نگاہ عنایت بھی ہے۔

زیر نظر کتاب آپ کی بارگاہ میں بہترین خراج عقیدت ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مولف اور اشاعت کنندگان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

کلماتِ تحسین

حضرت علامہ، ڈاکٹر انوار احمد صاحب بغدادی، صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ نسواں، جمدا شاہی، بستی

حضور شیخ القرآن میرے شفیق استاد، مہربان مربی، اور عظیم راہنما تھے، میرے اوپر حد درجہ شفقت فرماتے تھے، ایک باپ کی طرح پیار کرتے تھے، اور میری تعلیم وتربیت کے لیے ہر دم کوشاں رہتے تھے، حضرت ہی نے مجھے جامعہ صدام للعلوم الاسلامیہ بغداد بھیجا، اور آج جو کچھ بھی ہوں حضرت کی نگاہ عنایت سے ہوں۔

شیخ القران حافظ ملت شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی کے جلیل القدر تلامذہ میں سے تھے، اور حافظ ملت ہی کی طرح تعمیری و تعلیمی فکر کے حامل بھی تھے، آپ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ہندوستان میں دینی مدارس کے طلبہ کو باہر پڑھنے کے لیے بھیجنے کا آغاز کیا، اس کے بعد آپ ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آج پورے ہندوستان سے طلبہ کو باہر بھیجنے کا رواج عام ہوا ۔

آپ کی اس فکر کے پیچھے ایک خاص واقعہ کارفرما ہے، ہوا یوں کہ ایک بار حضور شیخ القرآن بڑھنی بازار، سدھارتھ نگر میں ایک دکان پر گئے، وہاں سے واپس ہوئے تو دوکان والے نے جو کہ غیر مقلد تھا کہا کہ یہ بریلویوں کے بہت بڑے عالم ہیں مگر عربی میں چند جملے نہیں بول سکتے ہیں، حضرت کو شدید دھچکا لگا، اور ٹھان لیا کہ میں تو عربی میں بات نہیں کرسکتا لیکن ایک ایسی ٹیم ضرور تیار کروں گا جو عربی تحریر وتقریر میں ممتاز و بے نظیر ہوگی۔

چنانچہ اسی فکر کے ساتھ پہلی بار ۱۹۹۴ء میں حضرت مولانا معراج الحق صاحب بغدادی اور حضرت مولانا احمد رضا بغدادی کو جامعہ صدام للعلوم الاسلامیہ بغداد میں بھیجا، اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں اس فقیر اور حضرت مولانا ابوساریہ بغدادی کو بھیجا، آج الحمد اللہ شیخ القرآن کا

خواب سچ ثابت ہوا، اور آپ کی تیار کردہ یہ ٹیم عالمی سطح پر عربی زبان وادب کے حوالے سے گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے۔

دارالعلوم علیمیہ کی تعمیر ترقی میں آپ کا کردار نا قابل فراموش ہے، آپ نے بلا مبالغہ علیمیہ کو اپنا خون جگر پلایا ہے، آج چمن علیمیہ کے ہر گل وغنچہ میں آپ کے مبارک لہو کی سرخی محسوس کی جا سکتی ہے۔

نقشِ اوّل

جہان درس وتدریس کی عبقری شخصیت، شیخ القرآن، حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں ہے، درس وتدریس کی دنیا میں آپ ایک منفرد اسلوب اور طرز تدریس کے مالک تھے، ایک بہترین مصنف و محقق ہونے کے ساتھ آپ کی شناخت ایک ایسے مدرس کے طور پر ہوئی جو اپنی تدریس سے ہزاروں تشنگان علم کو سیرابی عطا کرنے والا تھا، اور جس کی جولانئ تدریس کو دیکھ کر طلبہ درس گاہوں میں نعرہ لگانے پر مجبور ہوجاتے تھے، جس کی درس گاہ میں علم وحکمت کے ہیرے اور جواہرات لٹائے جاتے تھے، اور جس کی تدریسی صلاحیت کا اعتراف وقت کے اکابرین واساطین ملت برملا کیا کرتے تھے۔

آپ کی پوری زندگی تدریسی مشاغل میں گزری، عمر کے آخری حصے میں جب آپ بیماری سے پریشان رہتے تھے، اس وقت بھی تدریس کا ایسا شوق تھا کہ طلبہ کو سامنے بٹھا کر اس ذوق وشوق اور ولولے کے ساتھ پڑھاتے تھے کہ جسے دیکھ کر نوجوان اساتذہ کو بھی رشک آتا تھا، اس ضعیف العمری میں بھی آپ کے پڑھانے کا انداز بالکل جوانوں جیسا ہوتا تھا، اور طلبہ کو علم ومعرفت کا ایسا جام پلاتے کہ بس طبیعت جھوم جھوم اٹھتی تھی، میری کم نصیبی تھی کہ میں باضابطہ حضرت کی درس گاہ سے فیض یاب نہیں ہوسکا، مگر آپ کی درس گاہ کے قریب ہی میری درس گاہ تھی، حضرت مائک پر پڑھاتے تھے، بسا اوقات میں اپنی گھنٹیاں چھوڑ کر حضرت کی درسی تقریر سنتا تھا، ایک خاص قسم کا لطف آتا تھا اور احساس ہوتا تھا کہ جب عالم پیری کا یہ حال ہے تو عالم شباب میں حضرت کس طرح پڑھاتے رہے ہوں گے۔

حضور شیخ القرآن ایک عہد ساز مدرس تھے، نہ جانے آپ کے کتنے تلامذہ ہیں جو آج جہان تدریس کے بے تاج بادشاہ ہیں، ان کے شجرۂ علمی کو اٹھا کر دیکھیے تو شیخ القرآن کا نام ضرور ملے گا۔

آپ ایک بہترین مصنف و محقق بھی تھے، آپ کے بہت سارے تحقیقی مقالات اور گراں مایہ کتابیں اس دعویٰ کی دلیل ہیں۔

آپ ایک بلند پایہ خطیب بھی تھے، درس گاہ میں تدریس کا انداز خطیبانہ ہی ہوتا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مدرس نہیں بلکہ ایک مقرر تقریر کر رہا ہے، لفظوں کی تکرار، خطیبانہ نشیب و فراز کی رعایت، ذوق وشوق اور ولولے کی آمیزش، ساحرانہ طرز بیان، اشعار کا برمحل استعمال، لطائف اور خوش کن واقعات کا بیان یہ حضرت کی درسی تقریر کے اوصاف تھے، جلسہ وجلوس اور میلاد کی محفلوں میں تقریر کرنے سے حتی الامکان پرہیز کرتے تھے، لیکن جب کرتے تھے تو جلسہ گاہ کو بھی درس گاہ بنا دیتے تھے، وہی انداز، وہی جوش، وہی قادر الکلامی، وہی نکات و لطائف کا ذکر، اور وہی ذوق وشوق، بس آدمی جھومتا جاتا تھا، اور حضرت کے بیان سے محظوظ ہوتا جاتا تھا۔

حضور شیخ القرآن کی سب سے بڑی خوبی شخصیت سازی ہے، آپ نے تعلیم کے ساتھ تربیت افراد کا بھرپور خیال رکھا، دارالعلوم علیمیہ میں میں نے تو حضرت کے ابتدائی ایام نہیں دیکھے ہیں، لیکن جنھوں نے دیکھا ہے وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت صرف درس گاہ ہی میں نہیں بلکہ درس کے علاوہ خارجی اوقات میں بھی طلبہ کی تعلیم وتربیت فرمایا کرتے تھے، ان کی نگرانی فرماتے، انھیں نماز کی تاکید فرماتے، ان کی عادات واطوار کا گہرائی سے مشاہدہ فرماتے، اچھی عادتوں پر حوصلہ افزائی اور بری عادتوں پر تنبیہ وتاکید فرماتے تھے۔

آپ ایک اچھے منتظم بھی تھے، اللہ رب العزت نے آپ کو اعلی انتظامی صلاحیتوں سے نوازا تھا، تدریسی نظام ہو یا تربیتی نظام، ہر شعبے میں آپ نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا لوہا منوایا، اور ہر میدان میں اپنی قائدانہ لیاقت سے سب کو متاثر کیا۔

زیر نظر کتاب میں آپ کی حیات وخدمات کا اجمالی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی

ہے، یہ ایک چھوٹی سی کوشش ہے، حضور شیخ القرآن کی ہمہ جہت شخصیت اور آپ کے احوال و آثار کا احاطہ اس مختصر سی کتاب میں ناممکن ہے، مگر کوشش کی گئی ہے کہ آپ کی حیات و خدمات پر کافی حد تک روشنی ڈال دی جائے، اس کتاب کی تیاری میں آپ کے اس انٹرویو سے کافی استفادہ کیا گیا ہے، جسے حضرت مولانا غلام نبی صاحب (سابق معاون ایڈیٹر ماہنامہ ”پیام حرم“) نے حضرت کی زبان فیض ترجمان سے سن کر قلم بند کیا تھا، یوں ہی حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین قادری استاذ و مفتی دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی کے مضمون ”شیخ القرآن حیات و خدمات“ سے کافی استفادہ کیا گیا ہے، جو ماہنامہ پیام حرم کے جولائی، اگست ۲۰۱۱ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔

علاوہ ازیں زبانی روایتوں پر بھی اعتماد کیا گیا ہے اور بہت سارے واقعات وحالات چشم دید بھی ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت وطباعت ممکن نہیں ہوتی اگر استاذ مکرم، قمر العلما، حضرت علامہ محمد قمر عالم قادری اشرفی دام ظلہ العالی کی عنایت وشفقت حاصل نہ ہوتی، آپ ہی کی تحریک پر اس کتاب کی اشاعت ہوئی، آپ ہی کے کہنے پر الحاج وصی الدین اور ان کے برادران الحاج بشیر الدین، الحاج شمس الدین، الحاج شہنشاہ حسین وغیرہ نے اس کتاب کی اشاعت کرا کے حضور شیخ القرآن کی خدمت میں اپنی سچی عقیدت کا نذرانہ پیش کیا۔

ساتھ ہی اپنے محترم استاذ و مربی، ادیب شہیر، حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی کا بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے ہر کام کی طرح اس کام میں میری حوصلہ افزائی فرمائی اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر عزیز القدر حضرت الحاج مولانا محمد امیر القادری علیمی استاذ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی کا شکریہ نہ ادا کروں جنھوں نے کتاب کی کمپوزنگ کا فریضہ انجام دیا اور شب و روز لگ کر مختصر سی مدت میں کتاب کو قابل اشاعت بنایا۔

دعا کی امید کے ساتھ کتاب قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔

کمال احمد علیمی نظامی
خادم دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی یوپی

”بنام جہاں دار، جاں آفریں“

اسم گرامی: آپ کا نام نامی ”عبداللہ“ ہے، نسبا آپ خان برادری کے تھے، اسی لیے اپنے نام کے ساتھ ”خان“ لکھا کرتے تھے، آپ حافظ ملت علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید اور مرید صادق تھے، اور آپ سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے اسی لیے اپنے اسم گرامی کے ساتھ ”عزیزی“ ضرور لگاتے تھے۔

القاب: اہل علم ودانش نے آپ کی صلاحیت ولیاقت، تبحر علمی اور اسلام وسنیت کے لیے بیش بہا خدمات کو دیکھتے ہوئے آپ کو شیخ القرآن، سلطان الاساتذہ، عمدۃ المدرسین، اور اس طرح کے متعدد القاب سے یاد کیا۔

استاذ گرامی حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی صدرالمدرسین دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی، یوپی کی تجویز پر اہل علم نے آپ کو ”شیخ القرآن“ کے لقب سے ملقب فرمایا تھا، یہ لقب آپ کے اصل نام سے بھی زیادہ معروف ومشہور رہا، اور اس لفظ کے اطلاق کے وقت ذہن کا تبادر آپ ہی کی طرف ہوتا ہے۔

معروف محقق ومصنف، ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم صاحب نے دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی کے ایک سالانہ جلسے کے موقع پر فرمایا تھا کہ حضرت شیخ القرآن ہندوستان میں دنیائے سنیت کے واحد ”شیخ القرآن“ ہیں، بلاشبہہ آپ کو یہ لقب اہل علم نے آپ کی خدمت قرآن کو دیکھ کر دیا ہے۔

چونکہ حضور شیخ القرآن کو سب سے زیادہ شغف علم تفسیر ہی سے تھا، اسی لیے علم تفسیر میں آپ کی تدریس کافی معروف تھی، مدارک التنزیل، بیضاوی شریف اور جلالین جیسی معیاری

کتابیں آپ کے زیر تدریس رہتی تھیں، ان کتابوں کی تدریس سے آپ کو خصوصی دلچسپی تھی، اسی لیے آپ کو شیخ القرآن کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

سلسلۂ نسب: آپ کے والد گرامی کا نام الحاج محمد ابراہیم خان مرحوم، دادا کا نام الحاج تعلق دار خان مرحوم اور پردادا کا نام جناب جان محمد خان ہے، گویا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ خان ولد الحاج محمد ابراہیم خان ولد الحاج تعلق دار خان ولد جناب جان محمد خان مرحوم۔

حضرت شیخ القرآن کا تعلق ایک معزز گھرانے سے تھا، آپ کا خاندان علاقے کا ایک معزز خاندان مانا جاتا تھا، اس دور میں صاحب حیثیت لوگوں کو ''مہتو'' کہا جاتا تھا، لوگ آپ کے خاندان کو مہتو کہتے تھے، آپ کے والد بھی مہتو کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔

خاندانی حالات : حضور شیخ القرآن علیہ الرحمہ کی ولادت جس خاندان میں ہوئی وہ زراعت پیشہ خاندان تھا، آپ کی ولادت جن ایام میں ہوئی ان دنوں ''بلرامپور'' (جو آج ضلع کی حیثیت سے جانا جاتا ہے) ایک ریاست کی حیثیت سے جانا جاتا تھا، اسی ریاست کے حکمراں کے ماتحت پورا علاقہ ہوا کرتا تھا، حکومت اپنی ریاست کی آراضیوں کو ٹھیکیداروں کے سپرد کر دیتی تھی، جنھیں عام طور پر ''زمین دار'' کہا جاتا تھا، یہ ٹھیکیدار غریب کسانوں سے کاشت کاری کرواتے تھے، یہ کسان ''اسامی'' کہلاتے تھے، عموماً محنت یہ غریب کسان کرتے، اور ٹھیکیدار وں تک پیداوار کا وافر حصہ پہونچا دیتے تھے، یہ ٹھیکیدار ضابطے کے مطابق پیداوار کو ریاست کے حوالے کر دیتے تھے۔

حضور شیخ القرآن کے آباواجداد پہلے ٹھیکیدار ہوا کرتے تھے، لیکن بعد میں آپ کے پر دادا ٹھیکیداری سے بے دخل کر دیئے گئے، پھر آپ کے دادا الحاج تعلق دار ایک غریب کسان کی حیثیت سے گزر بسر کرنے لگے، آپ کے پاس زراعت کے لیے بہت وسیع رقبے کی زمین تھی، لیکن ریاست بلرامپور کے انتظام کاروں کی جبری وصولیوں، اور بے جا پابندیوں کے سبب اس ریاست کے غریب کسان بہت بدحالی کا شکار تھے، مفلوک الحال ہونے کے باعث نہ تو خوش حال زندگی گزار پاتے تھے، نہ ہی بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام ہو پاتا تھا، یہی وجہ تھی کہ اکثر

کسان ان پڑھ تھے۔

آپ کے خاندان سے جب سے ٹھیکیداری چھینی گئی تب سے پڑھنے لکھنے کا انتظام نہیں ہو پایا، اسی وجہ سے آپ کے والد ناخواندہ تھے، آپ کے دادا الحاج تعلق دار ایک غریب مگر خود دار اور صاحب حیثیت کسان تھے، اسی لیے ریاست بلرامپور کی طرف سے آپ کو گاؤں کا پردھان (مکھیا) مقرر کیا گیا، جس پر وہ تاحیات فائز رہے۔

آپ کے دادا علاقے کے ایک باا ثر فرد کی حیثیت سے متعارف تھے، گاؤں ہی نہیں بلکہ علاقے میں آپ کی عزت کی جاتی تھی، بخت خفتہ نے یاوری کی اور ۱۹۵۱ء میں اہلیہ کے ساتھ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

حضور شیخ القرآن کے والد ماجد کی ابتدائی زندگی بڑی غربت وافلاس میں گزری، اسی وجہ سے آپ غریبوں کا بڑا خیال فرماتے تھے، بڑے خوش اخلاق، ملنسار، اور وسیع الظرف تھے، بڑے صاف ستھرے دل کے مالک تھے، کسی کی طرف سے اذیت رسانی پر صبر وضبط کا مظاہرہ فرماتے، لوگوں سے اچھے تعلقات رکھتے، غریب وامیر، مسلم غیر مسلم سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے، اسی وجہ سے آپ کی بڑی عزت ہوتی تھی، علاقے کے لوگ آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔

نوعمری ہی سے کاشت کاری شروع کردی تھی، شیخ القرآن کے دادا الحاج تعلق دار کچھ بے نیاز قسم کے آدمی تھے اور آپ کے والد گھر میں سب سے بڑے تھے، اسی لیے الحاج تعلق دار کی موجودگی ہی میں آپ کے والد صاحب نے گھر کی کفالت کا بوجھ اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا، جب سے شعور سنبھالا جد وجہد شروع کردی، شروع میں کاشت کاری کا پیشہ اختیار کیا، بعد میں کچھ حالات صحیح ہوئے تو آپ نے غلہ کی تجارت کا کاروبار شروع کیا، جس میں اللہ رب العزت نے بڑی برکت دی، اور اس طرح سے دھیرے دھیرے آپ کے گھر کی معاشی واقتصادی حالت سدھرتی گئی، حضور شیخ القرآن اس حوالے سے فرماتے ہیں:

”بڑی محنت وکاوش سے انھوں نے گھریلو حالات سدھارنے اور اقتصادی

ومعاشی خوش حالی پیدا کرنے میں قدرے کامیابی حاصل کی، اس طرح مجموعی طور پر حالات میں سدھار پیدا ہوا، آہستہ آہستہ ان کی کوششوں سے خاندان کے لوگ تنگ دستی وافلاس کی زندگی سے باہر نکلنے میں کچھ کامیاب ہوئے۔"(۱)

والد ماجد نے بھی دادا کی طرح حج وزیارت کا شرف حاصل کیا، اس حوالے سے شیخ القرآن فرماتے ہیں:

"میرے والد محترم میرے عہد طالب علمی میں ۱۹۵۳ء میں اس سعادت عظمٰی سے بہرہ ور ہوئے تھے، اپنے والدین کے حج کے دو سال بعد یہ کہہ کرا کیلے حج کرنے چلے گئے کہ تمہاری والدہ تمہارے ساتھ حج کرنے کے لیے جائیں گی، لیکن کم نصیبی سے وہ محروم رہ گئیں"(۲)

شیخ القرآن کے والد ماجد بڑے متواضع اور منکسر المزاج تھے، غربت کو بہت قریب سے دیکھنے کی وجہ سے آپ کے اندر تکبر وتفوق نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

شیخ القرآن کی ولادت: شیخ القرآن کی ولادت کب ہوئی، اس تعلق سے کوئی حتمی تاریخ نہیں بتائی جاسکتی ہے، ہاں سرکاری کاغذات میں آپ کی تاریخ پیدائش ۱۵ رنومبر ۱۹۳۵ء مذکور ہے، شیخ القرآن اس بارے میں فرماتے ہیں:

"میرے خاندان میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی، خود میرے والد مکرم الحاج محمد ابراہیم خان صاحب ناخواندہ تھے، اس لیے میرے خاندان میں تاریخ کے اندراج کا کوئی رجسٹر نہیں تھا، بایں سبب دن، سن، مہینہ کی قید کے ساتھ میں اپنی تاریخ پیدائش نہیں بیان کرسکتا، البتہ سرکاری تاریخ پیدائش ۱۵ رنومبر ۱۹۳۵ء لکھی ہوئی ہے، لیکن میرے والد مکرم

---

(۱) (انٹرویو از شیخ القرآن، ماہنامہ پیام حرم، جولائی، اگست ۲۰۰۹ء)۔

(۲) [انٹرویو]

مرحوم بتاتے تھے کہ ہمارے گاؤں کے بجانب شمال ومغرب جو باندھ بنا ہوا ہے، جس سال یہ باندھ بنایا گیا اسی سال تمہاری پیدائش ہوئی ہے، اگر ریاست بلرامپور کے کاغذات کی چھان بین کی جائے تو اس سے ہمارے سن اور تاریخ پیدائش کا تعین یقینی طور سے ہوجائے گا، لیکن یہ مشکل ترین کام ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہماری تاریخ پیدائش کا اندراج جو سرکاری کاغذات میں ہے اسی پر اکتفا کیا جائے، اس کے آگے تحقیق نہ ہو'' ۔(۳)

ابتدائی تعلیم: شیخ القرآن نے ایک ایسے گھر میں آنکھ کھولی جس میں پڑھنے پڑھانے کا رواج نہ کے برابر تھا، والد محترم ان پڑھ تھے، لیکن تعلیم و تعلم کی اہمیت وافادیت سے آشنا تھے، اسی وجہ سے شیخ القرآن کو اپنے ساتھ کھیتی باڑی کے کام میں لگانے کے بجائے تعلیم حاصل کرنے کے کام میں لگا دیا، بچپن ہی سے آپ کی تعلیم وتربیت کا معقول انتظام ہوا، ابتدائی تعلیم ناظرہ اور اردو دینیات کی کتابیں گھر پر ہی رہ کر پڑھیں، ایک ضعیف مولوی صاحب جن کا نام میاں عبدالرحیم تھا، ابتدا میں انھیں سے قرآن کریم کا ناظرہ اور اردو کی معمولی کتابیں پڑھیں، یہ مولوی صاحب شیخ القرآن کے گاؤں کے قریب ایک گاؤں ''بجوا'' کے رہنے والے تھے، مولوی صاحب کے لڑکے محمد ابراہیم صدیقی کافی پڑھے لکھے آدمی تھے، شیخ القرآن نے ان سے بھی کچھ تعلیم حاصل کی۔

اس کے بعد ایک میاں صاحب جن کا نام محمد اسماعیل تھا، جو موضع ''بڑھری'' کے رہنے والے تھے، شیخ القرآن کے دادا مرحوم نے ان کو گھر پر رکھ کر پڑھائی کا انتظام کرادیا، یہ میاں صاحب بظاہر نیک سیرت اور پابند صوم وصلوٰۃ تھے، شیخ القرآن نے ان سے بہت ساری اردو اور دینی کتابیں پڑھیں، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ میاں صاحب کٹر دیوبندی تھے، اسی لیے بات بات پر شرک وبدعت کا فتویٰ لگاتے تھے، ایک دن دادا مرحوم نے میاں صاحب کی ان حرکتوں

---

(۳) (انٹرویو)۔

سے تنگ آ کر ان کو گھر سے باہر نکال دیا، اور اس طرح شیخ القرآن کا تعلیمی سلسلہ رک گیا۔

گاؤں میں تعلیم کا معقول انتظام نہ پا کر شیخ القرآن نے اپنے گاؤں سے دکھن طرف واقع ایک مشہور بازار وقصبہ ''پچپڑوا'' کے ایک پرائمری اسکول میں داخلہ لیا، درجۂ سوم تک اسی پرائمری اسکول میں آپ کی تعلیم ہوئی۔

عربی فارسی تعلیم: شیخ القرآن اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالرحیم صاحب کے ساتھ پچپڑوا میں پرائمری اسکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، اسی دوران آپ کی زندگی کے ساتھ ایک انقلاب آفریں واقعہ پیش آیا، جس نے آپ کی زندگی کا رخ موڑ دیا، ہوا یہ کہ ۱۹۴۶ء میں آپ کے گاؤں کے جو ٹھیکیدار تھے، جو بشنپور ٹنٹوا کے رہنے والے تھے، ان کا انتقال ہو گیا، ان کی اہلیہ محترمہ نے ان کے ایصال ثواب کے لیے ایک میلاد شریف کی محفل کا انعقاد کیا، جس میں انھوں نے ضلع بستی وگونڈہ کے اس وقت کے سب سے بڑے عالم دین، حضرت علامہ مولانا الحاج عتیق الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ کو بحیثیت مقرر مدعو کیا، اس پروگرام میں آپ کے دادا اور آپ کے بڑے والد حاجی کرم حسین صاحب عرف چھیدی خان مرحوم بھی شریک ہوئے اور شیخ القرآن اور ان کے چچازاد بھائی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کو بھی ساتھ لے گئے۔

اسی زمانے میں حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے مدرسہ انوار العلوم تلشی پور میں ابتدائی عربی فارسی مدرسے کا آغاز کیا تھا، چونکہ مدرسہ ابھی ابتدائی حالت میں تھا، طلبہ کی تعداد بہت کم تھی، اسی لیے حضرت نے لوگوں کو مدرسے کی طرف راغب کرنے کے لیے علم دین کی فضیلت پر بڑی موثر اور جامع تقریر فرمائی، اسی تقریر میں آپ نے فرمایا کہ اگر گھر خاندان میں کوئی ایک عالم دین ہو جاتا ہے، تو قیامت کے دن اپنے گھر کے بہت سارے افراد کی مغفرت کرائے گا، یہ تقریر بڑی موثر تھی، جس کا اثر یہ ہوا کہ شیخ القرآن کے دادا اور عم محترم نے آپ اور آپ کے چچیرے بھائی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبان کو حضرت مولانا عتیق الرحمٰن کی خدمت میں پیش کر کے عرض گزار ہوئے کہ ان دونوں بچوں کو اپنی خدمت میں قبول فرمائیں، حضرت نے منظوری دے دی۔

دو تین دن کے بعد عم محترم دونوں حضرات کو ساتھ لے کر تلشی پور پہونچے، ان دونوں حضرات کا داخلہ ہو گیا، اور یہیں سے گیارہ سال کی عمر میں آپ کی عربی فارسی تعلیم کا آغاز ہوا۔

مدرسہ انوار العلوم تلشی پور : حضرت شیخ القرآن نے جس مدرسے میں پہلی بار دینی علوم کی تحصیل کا آغاز کیا، آج وہ کس حالت میں ہے اس سے کوئی مطلب نہیں تاہم جس وقت شیخ القرآن نے تعلیم شروع کی تھی یہ مدرسہ بالکل ابتدائی مرحلے میں تھا، اس وقت یہ مدرسہ حضرت علامہ عتیق الرحمٰن صاحب کی نگرانی اور تدریسی خدمات کے تحت چل رہا تھا، مدرسے کے وسائل بہت محدود تھے، اسی لیے علامہ موصوف تن تنہا عربی فارسی کے تمام طلبہ کو پڑھاتے تھے ،فارسی زبان وقواعد پر اچھی دسترس حاصل تھی ،قواعد کا اجرا بھی کراتے تھے ، اسی لیے اس مدرسے میں فارسی زبان کی تعلیم بہت مضبوط ہوتی تھی۔

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب مدرسے کے انتظامی معاملات بھی دیکھتے تھے، ردو مناظرہ اور تقریر وخطابت کا کام بھی کرتے تھے، دن بدن مصروفیت بڑھتی گئی، اور ایک دن آیا کہ علامہ موصوف نے مدرسہ کے تدریسی معاملات سے خود کو الگ کرلیا، اور انتظامی امور دیکھنے کے ساتھ مذہب ومسلک کی ترویج واشاعت میں لگے رہے۔

آپ کی جگہ پُر کرنے کے لیے مفتیٔ آگرہ حضرت علامہ عبدالحفیظ علیہ الرحمہ کے برادر مکرم حضرت علامہ محمد علی صاحب کا تقرر ہوا، طلبہ کی تعداد آئے دن بڑھتی گئی، حضرت علامہ عتیق الرحمٰن صاحب نے طلبہ کی اتنی کثرت دیکھی تو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے ایک اور مدرس بھیجنے کی درخواست کی، حضور حافظ ملت نے اپنے خصوصی شاگرد حضرت علامہ محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ کو بحیثیت استاذ مدرسہ انوار العلوم میں مقرر فرمایا۔

پھر انوار العلوم کی خوش قسمتی کہیے کہ حضور حافظ ملت نے اس ادارہ میں تعلیمی انقلاب برپا کرنے کے لیے اپنے تلمیذ رشید بحر العلوم، حضرت علامہ، مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کو استاذ بنا کر بھیج دیا، حضرت بحر العلوم کی آمد مدرسہ کے لیے بہت بابرکت ثابت ہوئی، آپ کی علمی لیاقت اور تدریسی صلاحیت کے ساتھ خوش اخلاقی اور طلبہ پر شفقت ومروت نے مدرسہ

پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ مدرسہ میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا۔

تعلیم سے بے رغبتی اور ترک تعلیم: شروع میں حضرت بحر العلوم کی آمد سے قبل حضور شیخ القرآن کے اندر حصول تعلیم کی وہ رغبت نہیں تھی جو بحر العلوم کی آمد کے بعد پیدا ہوئی، اس تعلق سے حضرت شیخ القرآن کا یہ دلچسپ واقعہ دیکھئے:

> ''میری ابتدائی تعلیم میرے اپنے خیال میں اوقات گزاری کے علاوہ کچھ نہیں تھی، عربی گرامر و قواعد پر مجھ کو عبور تو کجا معمولی مسائل و قواعد بھی از بر نہیں تھے، ترکیب نحوی و تحلیل صرفی میں بالکل ناکام تھا، حتی کہ ترکیب نحوی کی مشہور کتاب ''شرح مائۃ عامل'' کو طوطے کی طرح ضرور رٹ لیا تھا، لیکن سمجھ کر ایسا نہیں پڑھا تھا کہ دوسری کتابوں میں مشق جاری کر پاتا، اور ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ ترک تعلیم کا میں نے مکمل ارادہ بھی کر لیا، چنانچہ تلشی پور سے گھر آ کر تقریبا دو مہینے تک اپنے والدین کریمین کی سرزنش و تہدید کے باوجود بے کار رہا۔'' (۱)

ادھر مدرسہ انوار العلوم میں تعلیم و تعلم میں کافی حد تک بہتری آنے لگی تھی، مدرسہ دھیرے دھیرے تعلیمی و تعمیری میدان میں آگے بڑھ رہا تھا، حضرت علامہ عتیق الرحمٰن صاحب نے جب تعمیری کاموں سے کچھ فرصت پائی تو مدرسہ کی تعلیم میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لیے حضور حافظ ملت سے رابطہ کیا، اور جیسا کہ میں نے عرض کیا حضور حافظ ملت نے حضرت بحر العلوم کو اس مدرسے میں استاذ کی حیثیت سے مقرر فرمایا، حضرت بحر العلوم کے آنے کے بعد مدرسہ کے تعلیمی معاملات اور شیخ القرآن کی تعلیمی زندگی میں کس طرح کی خوش گوار تبدیلی پیدا ہوئی، اس بارے میں حضرت شیخ القرآن فرماتے ہیں:

> ''آپ (حافظ ملت) نے مولانا مرحوم (علامہ عتیق الرحمٰن علیہ الرحمہ) کی درخواست پر ایک دوسرے استاذ، جید عالم دین، فاضل نحریر، عالم نبیل،

---

(۱) (انٹرویو)

حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب مدظلہ العالی کو اس ادارے کی خدمت کے لیے مامور و متعین فرمایا، اپنے ہم سبق طلبہ سے ان کی تعریف و توصیف سنی، یہ ان کے طریقۂ تفہیم، طرز تعلیم، حسن اخلاق، ان کے وعظ و تقریر میں رطب اللسان تھے، میرے دل میں ایک نیا جذبہ پیدا ہوا کہ جا کر انوار العلوم میں تعلیم شروع کردوں، اور اپنی طویل غیر حاضری کے بعد دوبارہ انوار العلوم میں حاضر ہوا، داخلے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوئی، مولانا موصوف کے یہاں نحو کی مشہور کتاب ''ہدایۃ النحو'' پڑھی، زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ میرے شعور و احساس کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوا، واقعۃً استاذ گرامی مفتی عبد المنان اعظمی صاحب کا طریقۂ تدریس بڑا نرالا تھا، اور ان کی شفقت و عنایت طلبہ پر بے پایاں تھی، اس لیے ذوق علم بہت بیدار ہوا، اور اس کے علاوہ کتاب کے مصنف کا روحانی فیض کا اثر رہا کہ مسلسل میں اس کتاب کے پڑھنے اور قواعد نحویہ کے ازبر کرنے میں مصروف رہتا تھا، اسی ایک کتاب کے ساتھ دلچسپی سے دوسرے علوم و فنون میں بھی رغبت کا اضافہ ہوا۔''(۲)

حضرت بحر العلوم سے شیخ القرآن نے کافی حد تک اکتساب فیض کیا، اور بہت ساری کتابیں آپ سے پڑھیں، سچائی یہ ہے کہ حضرت بحر العلوم کی نگاہ فیض نے حضرت شیخ القرآن کو جہان درس و تدریس کا بے تاج بادشاہ بنا دیا، ہر فن میں آپ نے حضرت بحر العلوم سے استفادہ کیا، چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں:

''گو کہ مفتی عبد المنان صاحب کے یہاں دو ہی کتابیں تھیں، لیکن منطق ابتدائی، علم صرف وادب کی کتابوں میں جہاں کہیں دشواری پیش آتی، یا جو کتاب سمجھ میں نہیں آتی تھی، بلا تامل میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر

---

۲ (انٹرویو)

سمجھنے کی کوشش کرتا تھا، ایک ہی سال کی مدت میں نحو وصرف کے مسائل، منطق ابتدائی کے قواعد، فارسی کی مشہور کتاب ''یوسف وزلیخا'' وغیرہ میں کامل دست گاہ تو حاصل نہ ہوئی، لیکن ان کتابوں کے پڑھنے لکھنے کا ایسا شوق بیدار ہوا کہ میں اپنے تمام اوقات کو فضول چیزوں میں ضائع نہیں کرتا تھا، بلکہ کچھ نہ کچھ یاد کرتا تھا، یا اپنے ساتھیوں سے بحث وتکرار میں لگا رہتا تھا، اس طرح خدائے پاک کا میرے اوپر احسان یہ ہوا کہ میری بدذوقی کا ازالہ ہوگیا، نئے جوش وولولے کے ساتھ علم کے حصول میں پیش رفت جاری رہی، اب جن کتابوں کا سبق پڑھتا تھا، ان کی تکرار جب تک اپنے ساتھیوں سے نہیں کر لیتا تھا مجھ کو قرار وسکون حاصل نہیں ہوتا تھا، میری محنت وجانفشانی کو دیکھ کر اس ادارے کے تمام اساتذہ میرے اوپر شفیق ومہربان ثابت ہوئے اور میری ہدایت ورہبری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب کی تشریف آوری باعث رحمت ثابت ہوئی، اور میں دھیرے دھیرے کامیابی کی منزل طے کرنے لگا، اپنے اساتذہ کی تعظیم وتکریم میں کبھی بھی کوتاہی نہیں کرتا تھا، غالباً اسی وجہ سے سب کی نگاہ میں سعادت مند اور اچھا طالب علم ثابت ہوا۔'' (۱)

زمانۂ طالب علمی میں حافظ ملت سے پہلی ملاقات: حضور شیخ القرآن کی شخصیت کو نکھارنے میں جن اساطین ملت کا خاص کردار رہا ہے ان میں جلالۃ العلم، حافظ ملت، علامہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کا نام نامی قابل ذکر ہے۔

حافظ ملت نے اپنی زندگی میں دو عظیم کارنامے انجام دیئے، ایک تو جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تاسیس دوسرے قابل فخر علما کی شخصیت سازی، یہ دونوں کارنامے حافظ ملت کی سب سے بڑی کرامت ہیں، حضور صدرالشریعہ کے واسطے سے امام اہل سنت، سیدی سرکار اعلی

---

(۱) انٹرویو

حضرت، امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا جو علمی فیضان جاری ہوا، حافظ ملت نے اس کو خوب عام کیا، اور جامعہ اشرفیہ کی شکل میں علمی فیوض و برکات کا عظیم سرچشمہ قوم کے حوالے کیا۔

حضور شیخ القرآن علیہ الرحمہ نے آپ کا نام بہت پہلے سے سن رکھا تھا، ملاقات کا شرف ایک خاص موقع پر حاصل ہوا، اس خاص واقعہ کا ذکر حضور شیخ القرآن کی زبان سے سنئے:

''زمانۂ طالب علمی کی کامیابی کی تفصیل کے لیے کافی وقت درکار ہے، لیکن ایک ایسی کامیابی جس پر اس ذرہ ناچیز کو اس صدی کے عظیم ترین بزرگ حضور حافظ ملت نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے خوب خوب سراہا تھا بلکہ بڑی حوصلہ افزائی فرمائی تھی، وہ یہ کہ علامہ جمال الدین ابن حاجب کی کتاب ''کافیہ'' (جو علم نحو میں ایک چیستان کی حیثیت رکھتی ہے) میں پڑھ رہا تھا، اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان امتحان کے لیے مدعو کیے گئے تھے، کافیہ کا امتحان حضرت ہی کے پاس رکھا گیا، میرے تمام شرکا میں میرا نام سرفہرست تھا، حضور حافظ ملت نور اللہ مرقدہ کے حکم پر عبارت خوانی کے بعد ترجمہ کیا، مرفوعات کی بحث میں پہلے مرفوع یعنی فاعل کی تعریف کے بعد مطلب بیان کیا، حضرت نے فرمایا کہ آپ کہہ رہے ہو، کہ فاعل اسے کہتے ہیں جس کی طرف فعل کی نسبت بطور قیام ہو، اور جس پر فعل کو مقدم کیا گیا ہو، یعنی فاعل کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس سے پہلے فعل ہو، اگر فعل بعد میں آجائے تو کیا خرابی پیدا ہوگی؟ ''زیدٌ ضَرَبَ'' اور ''ضرب زیدٌ'' میں کیا فرق ہے؟ فقیر نے بلا جھجھک فوراً عرض کیا کہ اگر اسم کے اوپر فعل کو مقدم نہ کیا جائے بلکہ اس سے مؤخر کر دیا جائے تو ایسی صورت میں فاعل اور مبتدا میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا، یہ متعین کرنا دشوار ہوگا کہ یہ فاعل ہے یا مبتدا، اس لیے فاعل اور مبتدا میں اشتباہ ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ فاعل کی تعریف میں یہ قید لگائی جائے کہ فعل اسم پر مقدم ہو۔

اس بر جستہ جواب سے حافظ ملت نوراللہ مرقدہ بہت خوش ہوئے،اور بہت بہت شاباشی دی اور اپنے تلمیذ رشید حضرت علامہ مفتی عبدالمنان صاحب کو ہدایت فرمائی کہ اس طالب علم کو خاص توجہ کے ساتھ پڑھایا جائے، جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ یہ طالب علم ان شاءاللہ العزیز مستقبل میں علما کی صف میں ایک ممتاز مقام حاصل کرے گا۔

اس لیے میں اپنے علم وایقان کی روشنی میں یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ آج جو کچھ مجھ کو جانا پہچانا جاتا ہے یا میری قدر ومنزلت کی جاتی ہے، یا علمی دنیا میں میری کچھ حیثیت متعین کی جاتی ہے، یہ سب کچھ میرے اساتذۂ کرام کی محنت وکاوش اوران کی شفقتوں کی وجہ سے تو ہے ہی لیکن اس میں ایک بزرگ ہستی کی پیشین گوئی کے بھی اثرات ہیں اور اس کی دعاؤں کا کرشمہ ہے"۔(۱)

اساتذہ کی خدمت و احترام: استاذ انسان کا سب سے عظیم مربی ومحسن ہوتا ہے، اسی لیے اس کا مرتبہ ماں باپ سے کہیں زیادہ اونچا ہوتا ہے، ماں باپ عموماً جسم کی پرورش اور تربیت کرتے ہیں، لیکن استاذ روح وقلب کا مربی ہوتا ہے، استاذ ایک معمولی سے پتھر کو تراش کر قیمتی ہیرہ بناتا ہے، اور اپنا خون جگر پلا کر انسان کو کسی لائق بناتا ہے۔

استاذی وشاگردی کا رشتہ جتنا مضبوط ہوتا ہے فیض رسانی اتنی زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے پہلے کے طلبہ کی تعلیمی زندگی دیکھیے تو ان کے اندر اساتذہ کا وہ ادب واحترام دیکھنے کو ملتا ہے کہ جو آج کے دور کے طلبہ کے اندر بہت کم ہی پایا جاتا ہے، عصر حاضر میں طلبہ کے ذہن میں یہ مسموم خیال بیٹھ چکا ہے کہ اساتذہ تنخواہ لے کر پڑھاتے ہیں، ہم پر کوئی احسان تھوڑی کرتے ہیں ، ظاہر ہے یہ ایک خطرناک فکر ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دن بدن طلبہ اور اساتذہ کے درمیان

---

(۱) انٹرویو

دوری بڑھتی جارہی ہے، اور فیض رسانی کا سلسلہ کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔

ہر کامیاب انسان کی زندگی کا مطالعہ کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی کامیابی کے پیچھے جہاں بہت سارے اسباب کارفرما ہوتے ہیں وہیں اساتذہ کا کردار بھی ناقبل فراموش ہوتا ہے، زندگی کے ہر شعبے میں ایک رہنما اور استاذ کی ضرورت آج بھی مسلم ہے۔

شیخ القرآن علیہ الرحمہ کی کامیاب علمی وتدریسی زندگی بھی ان کے اساتذۂ کرام کی عنایتوں کا ثمرہ تھی، والدین و اقارب کی دعاؤں کے ساتھ اساتذہ کی شفقتوں نے انھیں درس و تدریس کی دنیا کا بے تاج بادشاہ بنا دیا تھا، اور معمولی سے گاؤں کے معمولی سے فرد کو ''شیخ القرآن'' کے معزز لقب سے مشہور کر دیا تھا۔

شیخ القرآن احسان فراموش اور ناشکرے نہیں تھے، زمانۂ طالب علمی سے اساتذہ کا حد درجہ ادب و احترام فرماتے تھے، ان کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے، کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ نور علم کا حصول بغیر استاذ سے مضبوط رشتہ پیدا کیے ممکن ہی نہیں ہے۔

شیخ القرآن کے دور میں طلبہ اپنے استاذ کا کس قدر احترام فرماتے تھے اس حوالے اپنے انٹرویو میں آپ فرماتے ہیں:

> ''بلاشبہ اُس زمانے کے طالب علم اپنے اساتذۂ کرام کے بارے میں جو روش اختیار کرتے تھے اور اِس وقت کے طلبہ جو طریقہ اپنائے ہوئے ہیں دونوں میں نمایاں فرق محسوس کرتا ہوں، میرے عہد طالب علمی میں طلبہ اپنے اساتذہ کے ساتھ نہایت مودبانہ طریقہ اختیار کرتے تھے، ان کو ہر حالت میں خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے، ان کی ناراضگی اپنے لیے باعث محرومی سمجھتے تھے، اور ایسی خدمت کرتے کہ جس کا خیال اس زمانے میں ذہن میں نہیں آتا ہے۔''(۲)

شیخ القرآن کے دل میں اپنے اساتذہ کی کتنی توقیر تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے

---

(۲) انٹرویو

لگائیں کہ جب حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم کے مطابق بحر العلوم، حضرت علامہ، مفتی عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ تلشی پور مدرسہ انوارالعلوم میں تشریف لائے ،اس وقت آب وہوا کی تبدیلی کی وجہ سے آپ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے ، حالت اس وقت تشویش ناک ہوگئ جب منھ سے بلغم کے ساتھ تھوڑا بہت خون آنے لگا، حضرت بحر العلوم بہت پریشان ہو گئے، جانچ وغیرہ کروانے کے بعد پتہ چلا کہ یہ سب پیٹ کی خرابی کے سبب تھا، اس کے بعد کافی حد تک آپ احتیاط فرمانے لگے، کھانے پینے اور رہنے سہنے میں۔

ایک بار حضرت نے فرمایا کہ مدرسے کے بغل میں جو کنواں ہے اس کا پانی صحت کے لیے بہت مضر ہے، اس لیے تم لوگ میرے پینے کے لیے اسٹیشن کی ٹنکی سے پانی لاؤ جو جراثیم اور مضر صحت کیڑوں سے پاک ہوتا ہے، اس وقت مدرسہ سے اسٹیشن کی دوری تقریباً چار فرلانگ تھی ، ظاہر ہے اتنی دور تک جا کر گھڑے میں پانی لانا ایک مشکل کام تھا، اس کام کے لیے کسی مناسب فرد کی ضرورت تھی جو خوش دلی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دے سکے، اس کام کو سعادت سمجھتے ہوئے شیخ القرآن نے اس کی ذمہ داری خود لے لی۔

ایک سال تک شیخ القرآن اس خدمت کو انجام دیتے رہے، آپ جب نہیں رہتے تھے تو آپ کے برادر مکرم، حضرت علامہ عبدالرحیم عزیزی اس خدمت کو انجام دیتے تھے، یا دوسرے طلبہ یہ کام انجام دیتے تھے، اس کام کو انجام دیتے ہوئے شیخ القرآن کے دل میں کبھی بھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ میں اپنے استاذ پر کوئی احسان کر رہا ہوں یا یہ کام میرے لیے تکلیف کا باعث ہے، اس حوالے سے شیخ القرآن خود فرماتے ہیں:

> ”میں سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں کبھی بھی یہ خیال نہیں آیا کہ روز روز کا یہ کام بہت اذیت رساں ہے، اس کام میں بڑا وقت ضائع ہوتا ہے، اس لیے طبیعت میں اکتاہٹ کبھی پیدا نہ ہوئی، بلکہ نہایت خوش دلی اور سعادت مندی کے ساتھ اس بار گراں کو برداشت کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا، اور طبیعت کا تقاضا یہی تھا کہ کوئی دوسرا طالب علم میرے اس اچھے کام اور

خدمت میں شریک نہ ہو‘‘(۱)

راقم السطور نے خود بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ حضور شیخ القرآن اپنے اساتذہ کا کس حد تک احترام فرماتے تھے، دارالعلوعلیمیہ جمدا شاہی میں جب کبھی آپ کے استاذ محترم ، بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان علیہ الرحمہ تشریف لاتے تھے تو شیخ القرآن بڑی نیازمندی کا مظاہرہ فرماتے اور ایک طالب علم کی طرح اپنے استاذ کے سامنے نشست و برخاست فرماتے تھے، حالانکہ اس وقت شیخ القرآن کی عظمت وسطوت کا ڈنکا ہر چہار سو بج رہا تھا، تلامذہ اور معتقدین کا جم غفیر رہتا تھا، مگر جب بھی حضرت بحرالعلوم کو دیکھتے سروقد کھڑے ہوکر ان کا احترام بجالاتے ، یوں ہی جب دوران گفتگو کبھی اساتذہ کا ذکر آتا تو بڑے ادب سے ان کا تذکرہ فرماتے۔

عہد طالب علمی کے کچھ اہم واقعات: شیخ القرآن علیہ الرحمہ کے عہد طالب علمی کا دور سیاسی ، مذہبی اور سماجی ہر اعتبار سے بڑا ہنگامہ خیز دور تھا، جس وقت آپ تلشی پور میں زیر تعلیم تھے، اسی وقت ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی کا واقعہ پیش آیا، اس وقت مسلمانان ہند پر کیا بیتی یہ ہندوستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے، انگریزوں کی چیرہ دستیاں عروج پر تھیں، مراٹھوں کے مظالم اس پر مستزاد تھے، مغلیہ حکومت ختم ہو چکی تھی ، انگریزوں کی حکومت اور ہندوستانی عوام میں ایک طویل جنگ کے بعد آزادی کا سورج طلوع ہوا، مگر یہ آزادی اپنے ساتھ ملک کی تقسیم بھی لے کر آئی، اور ہندوستان سے کٹ کر پاکستان کا وجود ہوا، اس وقت کے حالات نہایت ناگفتہ بہ تھے، مسلمانوں کا ہر گھران حوادثات سے متاثر تھا، ظاہر ہے شیخ القرآن کا گھرانہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہا ہوگا، اس وقت آپ باشعور ہو چکے تھے، اخبارات کے مطالعہ کا شوق تھا، جب نئے حوادثات و واقعات پڑھتے تو دل ودماغ متاثر ہوتا تھا، مگر آپ نے ان واقعات کو اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا، پوری دلجمعی اور جوش وخروش کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے، آپ اس مسافر کی طرح تھے جسے صرف اپنی منزل کی فکر ہوتی ہے، جسے راستے

---

(۱)انٹرویو

کے مصائب وآلام کی پرواہ نہیں رہتی ہے، جس کے سر میں صرف حصول منزل کا سودا سمایا رہتا ہے، اور جو شب وروز جانب منزل گامزن رہتا ہے، اس حقیقت کا اظہار شیخ القرآن نے اپنے انٹرویو میں بڑے کرب کے ساتھ فرمایا ہے۔

دوران طالب علمی میں شیخ القرآن کے ساتھ ایک تکلیف دہ حادثہ پیش آیا، جس کا افسوس آپ کو پوری زندگی رہا، ہوا یوں کہ مدرسہ انوارالعلوم کے قریب ایک دیوبندی رہتا تھا، جو مدرسہ کی تعلیمی وتعمیری ترقی سے بہت تکلیف میں رہتا تھا، اکثر اس ادارے کی زمینوں میں بے جا دخل اندازی کرتا رہتا تھا، مدرسہ کے اساتذہ اور انتظامیہ سے اس کا آئے دن جھگڑا ہوا کرتا تھا، ہزار صلح ومصالحت کے باوجود وہ شر پسند دیوبندی اپنی سازشوں سے باز نہیں آیا اور آئے دن مدرسہ اور اہل مدرسہ کو نقصان پہونچانے کی کوششوں میں اضافہ کرتا گیا، اس کی شر پسندی کا اثر طلبہ اور اساتذہ پر پڑ رہا تھا، ذہنی طور سے سب پریشان رہنے لگے۔

جب انتظامیہ اور اساتذہ اس معاملے کو نہ سلجھا سکے تو طلبہ نے اپنے تئیں اس دیوبندی کی خبر لینے کا پلان تیار کیا، اور اکثر طلبہ کے اتفاق رائے سے یہ بات طے پائی کہ کسی دن موقع دیکھ کر اس دیوبندی کے چھپر کے مکان میں آگ لگا دی جائے، ظاہر ہے یہ طلبہ کی ناعاقبت اندیشی تھی کہ آگ کو آگ سے بجھانے جا رہے تھے، اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا لیکن طلبہ کا گروہ جذباتی اور عجلت پسند ہوتا ہے، نتیجہ کی فکر کہاں ہوتی ہے۔

خیر ایک دن طلبہ نے رات کے وقت کوئلے کی آگ دہکائی اور ایک جری طالب علم نے اس آگ کو اس غریب دیوبندی کے چھپر پر ڈال دی، دیکھتے ہی دیکھتے آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، جیسے تیسے کر کے آگ پر قابو پایا گیا، مگر تب تک اس دیوبندی کا سارا اثاثہ جل کر راکھ ہو چکا تھا، اللہ کا شکر تھا کہ کسی کو پتہ نہیں چل پایا، کہ اس کارنامے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے، ورنہ حالات قابو سے باہر ہو جاتے، اور مدرسے کا وجود خطرے میں پڑ جاتا۔

اس حادثے نے شیخ القرآن کے ذہن ودماغ پر بڑا گہرا اثر ڈالا، زندگی بھر آپ کو اس واقعہ پر پچھتاوا رہا، خود ہی بیان فرماتے ہیں:

”وہ (دیوبندی) چیختا چلاتا رہا، اور ہمارے مدرسے کے طلبہ اپنی اس غلطی پر فخر کررہے تھے، لیکن اندر اندر سے میرا ضمیر مجھ کو سخت ملامت کررہا تھا، اس لیے نہیں کہ میں اس کارستانی میں شریک تھا، بلکہ اس لیے کہ میرے علم میں یہ نازیبا حرکت آ گئی تھی، اور میں اپنی بزدلی کی بنا پر ان نالائقوں کو روکنے اور اس قسم کی حرکت سے منع کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کرسکا تھا، اس لیے کہ بیشتر شرکا اس عمل شر کو کارخیر تصور کررہے تھے اور میری نگاہ میں یہ نہایت ناشائستہ حرکت تھی، جو طالبان علوم دینیہ کے شایان شان نہیں تھی، جو کچھ اختلاف ونزاع تھا ادارے کی انتظامیہ اور اس دیوبندی کے درمیان تھا، اولاً تو طلبہ کو اس معاملے میں الجھنا نہیں چاہئے تھا، ثانیاً اگر وہ اس میں پڑ گئے تھے تو ان کو ایسا کام نہیں کرنا چاہئے تھا، جو چوروں، بدمعاشوں، اور شرپسندوں کا کام ہے، اور اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے، یہ ایسا واقعہ تھا کہ اکثریت کی مخالفت کے ڈر سے اس کے خلاف میں اپنی آواز بلند نہیں کرسکتا تھا، مگر میں اس سے بے حد متاثر ہوا، میرا ضمیر مجھ کو مسلسل جھنجھوڑتا رہا، میں قطعاً اس کو درست نہیں تصور کرتا تھا کہ کسی سے عقیدے کے اختلاف کی بنا پر اتنی زیادتی برتی جائے۔

ضابطے اور قانون کے مطابق حالات سے نپٹنے کے امکانات ہوں تو بھلا ایسی حرکت کیوں کر روا رکھی جاسکتی ہے، پھر میں یہ بھی سوچتا تھا، کہ ایک شرارت کا جواب اس سے بڑی شرارت یا ظلم وجبر سے نہیں ہونا چاہئے تھا“۔(انٹرویو، جولائی واگست پیام حرم ۲۰۰۹ء)

بیماری کے باعث تعلیمی سلسلے کا انقطاع: عہد طالب علمی میں شیخ القرآن ایک بار سخت بیمار پڑ گئے، شدید بخار کے ساتھ نمونیہ کی شکایت ہوگئی، ابتدائی علاج معالجہ سے

کچھ افاقہ نہ ہوا، گھر والوں کو خبر گئی، آپ کے والد ماجد الحاج محمد ابراہیم صاحب مدرسہ پہونچے، ادھر آپ کے دادا بھی اپنے گاؤں سے ۲۵ کلومیٹر سے زیادہ مسافت پیدل طے کرتے ہوئے مدرسہ انوار العلوم میں پہونچ گئے، آپ کا پورا گھرانہ پریشان ہوگیا، اساتذہ اور گھر والوں کے آپسی صلاح ومشورے کے بعد یہ طے پایا کہ شیخ القرآن کو پچپڑوا کے سرکاری اسپتال کے بڑے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا جائے، اس وقت ڈاکٹر عبد الغفار صاحب سرکاری اسپتال میں بڑے ڈاکٹر کے طور پر مشہور تھے، آپ کو پچپڑوا کے سرکاری اسپتال میں لایا گیا جہاں پر آپ کا علاج ہوا، گھر والوں اور احباب واقارب نے دعاؤں سے نوازا جس کی وجہ سے آپ مکمل صحت یاب ہوگئے، کمزوری بہت بڑھ گئی تھی، نقاہت کی وجہ سے تعلیم سے یکسر ناطہ ٹوٹ گیا تھا، اور تقریباً ایک مہینے تک آپ کی تعلیم منقطع رہی، جس کی وجہ سے آپ کافی بے چینی محسوس کررہے تھے، جیسے چلنے پھرنے کے لائق ہوئے تعلیمی شوق نے مدرسہ جانے پر مجبور کردیا، آپ مدرسہ پہونچے، طلبہ اور اساتذہ بہت خوش ہوئے، اساتذہ نے چھوٹے ہوئے اسباق کو پڑھا کر آپ کے نقصان کی تلافی کردی، اس طرح سے ایک بار پھر آپ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوگئے۔

دوران تعلیم اچھے طلبہ کے ساتھ آپ کا حسن سلوک: شیخ القرآن علیہ الرحمہ اپنے دُھن کے پکے تھے، انھیں بس حصول تعلیم سے مطلب رہتا تھا، طلبہ کے ساتھ آپ کم ہی اٹھتے بیٹھتے تھے، کھیل کود اور گپ شپ سے دور ہی رہتے تھے، وہ طلبہ جو ”نہ پڑھیں گے، نہ پڑھنے دیں گے“ کے اصول پر کاربند تھے ان سے تو شیخ القرآن کوسوں دور رہتے تھے، ان کے سایے سے بھی بچنے کی کوشش فرماتے، کیوں کہ آپ کو معلوم تھا کہ شیطان کے بعد سب سے زیادہ مضر ایک طالب علم کے لیے اس کا اپنا برا ساتھی ہوتا ہے، طالب علمی کے دور میں تین بڑے دشمن ہمیشہ ساتھ لگے رہتے ہیں، ایک تو شیطان، دوسرا نفس اور تیسرا برا ساتھی، اس لیے آپ حتی الامکان ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھیل کود اور ہنسی مذاق ہر ایک چیز سے اجتناب فرماتے، ایسے طلبہ سے آپ اختلاف ونزاع کے بجائے ان سے دوری ہی میں عافیت سمجھتے

تھے۔

کچھ طلبہ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی سبب سے پڑھنے میں کمزور ہوتے ہیں مگر پڑھائی کے دشمن نہیں ہوتے ہیں، ان کے اندر پڑھائی کا شوق ہوتا ہے، مگر کسی داخلی یا خارجی رکاوٹ کی وجہ سے وہ پڑھائی سے عاجز ہوتے ہیں، ایسے طلبہ کے ساتھ شیخ القرآن کا رویہ ہمدردانہ اور مشفقانہ ہوتا تھا، چنانچہ اس طرح کے طلبہ کے بارے میں شیخ القرآن فرماتے ہیں:

''میری کوشش یہ ہوتی تھی کہ جو طلبہ طبیعت کے اعتبار سے اچھے ہیں ان کی مدد کی جائے، میں اپنے سے نیچی جماعت والے بچوں کو تکرار کرا کر یا مسائل سمجھا کر اونچے درجے کے لیے تیار کرتا تھا، میں اس وقت ان کا نام بتانے کے موڈ میں نہیں ہوں، جن کے ساتھ میں نے یہ حسن سلوک کیا، یا جن کو میں نے تعاون دیا، البتہ میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ میری جدوجہد سے کئی ایسی زندگیاں جو تباہی اور بربادی کی منزل تک پہونچنے کے قریب تھیں، میں نے ان کو بچایا، وہ بے چارے میرے احسان مند ثابت ہوئے''۔(۱)

ایک اچھے طالب علم کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بہر حال ایک طالب علم کی روش ایسی ہونی چاہئے کہ وہ ناعاقبت اندیشوں سے الگ تھلگ رہے، اور جو پڑھنے لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے کسی وجہ سے ناکام ہو رہے ہوں ان کو کامیاب بنانے کی اپنی فکری کاوش جاری رکھے، میرا طریقۂ کار یہی تھا، میں امید کرتا ہوں کہ ذہن وفکر والے طلبہ اس راہ پر گامزن رہیں گے''۔(۲)

عہد طالب علمی میں ایک رسمی مناظرہ: آپ کا عہد طالب علمی بڑا ہنگامہ

---

[۱] (انٹرویو)

[۲] (انٹرویو)

خیز تھا، باطل فرقوں کا زور تھا، سرکار اعلی حضرت، آپ کے فرزندار جمند سرکار مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان اور دیگر علماے اہل سنت نے گمراہ وگمراہ گر فرقوں پر جو کاری ضرب لگائی تھی، اس کی ٹیسیں بد مذہب جماعتوں کو چین سے رہنے نہیں دیتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر وہ اپنے مذہب ومسلک کی ترویج اشاعت کرتے ہوئے بھولے بھالے سنی عوام کو ورغلانے کی کوشش کرتے، ان فتنہ پردازوں کے مکر وفریب کو چاک کرنے کے لیے علماے اہل سنت جلسہ جلوس میں تقریریں فرماتے، ان سے مناظرہ فرماتے اوران کے رد میں کتابیں تحریر فرماتے۔

شیخ القرآن کے عہد طالب علمی میں ان کے استاذ محترم حضرت علامہ محمد عتیق الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ اپنے وقت کے کامیاب مناظر مانے جاتے تھے، بھانبھر اور نیپال کی ترائی کا علاقہ ان کی مناظرانہ صلاحیتوں کا معترف تھا، آپ کی شبانہ روز خدمات ہی کے سبب سے آج بھی الحمدللہ وہ علاقہ کافی حد تک بدمذہبیت کے سایے سے محفوظ ہے۔

آپ کے اندر یہ جذبہ اس قدر راسخ تھا کہ اپنے مدرسے کے طلبہ کو بھی مناظرہ کی ٹریننگ دیتے تھے، اور لائق طلبہ کا انتخاب کر کے ان سے رسمی مناظرہ کراتے تھے، تاکہ طلبہ کی تربیت ہوجائے اور عوام کو یقین ہوجائے کہ بدمذہبیت کی بنیاد بہت کمزور ستونوں پر ہے جسے ہمارے طلبہ بھی بڑی آسانی سے مسمار کر سکتے ہیں۔

شیخ القرآن چونکہ اپنے دور کے ایک ذہین، محنتی، اور لائق وفائق طالب علم تھے، اس لیے آپ کے اندر مناظرانہ صلاحیت ولیاقت کو مستحکم کرنے کے لیے حضرت علامہ عتیق الرحمٰن نور اللہ مرقدہ نے تلشی پور کے ایک عظیم جلسے میں آپ اور آپ کے ایک ساتھی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے درمیان مناظرہ کا پروگرام کروایا تھا، جس میں شیخ القرآن کو غیر مقلد اور آپ کے ساتھی کو سنی مناظر کا کردار دیا گیا تھا، سوال وجواب حضرت علامہ عتیق الرحمٰن نے خود ہی مرتب کیا تھا، جنھیں دونوں مناظر طلبہ نے از بر کرلیا تھا، آگے کی روداد حضرت شیخ القرآن کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''اسٹیج پر ایک طرف مولانا خلیل صاحب کھڑے ہوئے، اور دوسری جانب

میں تھا، تقریباً آدھے گھنٹے تک نہایت زوردار مناظرہ ہوا، سامعین بہت محظوظ ہوئے تھے، اسٹیج پر موجود علماے کرام داد وتحسین کے ساتھ نواز رہے تھے، یہ تمام مباحث خالص علمی تھے، افسوس کہ میرے پاس اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے، بہرحال اس مناظرے میں پہلے ہی سے فیصلہ کردیا گیا تھا کہ غیر مقلد کو شکست کھانی پڑے گی، چنانچہ مجھ کو برسر عام اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑا اور مولانا خلیل صاحب اجلاس سے فاتح بن کر نکلے، ان کو چاروں طرف سے لوگوں نے گھیر لیا، اور پھولوں کے ہار سے ان کو لاد دیا گیا، ان کو بڑی واہ واہی ملی، ایسے وقت میں مجھ کو سخت خجالت کا احساس ہوا، اور بار بار میرے ذہن میں یہ آرہا تھا کہ کاش میں نے غیر مقلدین کا پارٹ نہ ادا کیا ہوتا، کہ مجھ کو کسی طرف سے کوئی شخص داد وتحسین تو بڑی بات دل جوئی کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا، بلکہ سب لوگ میری شکست خوردگی پر خوش تھے کہ ایک غیر مقلد ہار گیا۔" (۱)

اس مناظرے کی شکست نے شیخ القرآن کو بڑی اذیت پہونچائی اور اس واقعہ نے آپ کے دل پر بڑا گہرا اثر ڈالا، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"اس مناظرہ کا قبیح پہلو یہ تھا کہ یہ کوئی حقیقی و واقعی مناظرہ نہ تھا، اس میں سنیوں کو سوال وجواب کے انداز میں یہ دکھانا تھا کہ غیر مقلدیت کی بنیاد نہایت کمزور ستونوں پر قائم ہے، اور احناف کی طرف سے آخر کار مضبوط دلائل کا مظاہرہ کرنا تھا، اس لیے اس میں نہ کوئی واقعی طور پر فاتح تھا نہ کوئی مفتوح ، لیکن داد وتحسین کے علاوہ جب انعام واکرام کی باری آئی تو مولانا خلیل صاحب کو خوب خوب نوازا گیا، اس سے مجھ کو بہت اذیت پہونچی اور اتنے بڑے مجمع میں کسی کو اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ یک

---

(۱)(انٹرویو)

طرفہ رویہ اختیار کیا جارہا ہے، حتی کہ میرے اساتذہ کرام کے ذہن ثاقب میں بھی یہ بات نہ آئی کہ میرے دل ودماغ اس سے متاثر ہورہے ہیں ، میں سوچ رہا تھا کہ کم از کم یہ کہہ کر میرے اوپر کچھ نوازش ہوتی کہ انھوں نے غیر مقلدین کی طرف سے بھرپور ترجمانی کی ، اوران کے مذہب کے بیان کے سلسلے میں نہایت بے باکانہ روش اختیار کی، لیکن وہ مذہب سرے سے کمزور بنیادوں پر قائم ہے، اس لیے ان کو اپنی ناکامی کا اعتراف کرنا پڑا، یہ بھی انعام کے مستحق ہیں، نہ یہ کہ ان کو محروم قرار دے کر ان کی دل شکنی کی جائے ، اور حوصلہ افزائی کے بجائے ان کو پست ہمتی کے دل دل میں ڈھکیل دیا جائے، جس سے ان کی حوصلہ شکنی ہو"۔(۱)

اس کے بعد اساتذہ کے لئے ایک نصیحت آموز بات کہتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میں نے اس واقعہ کو تفصیلاً اس لئے ذکر کیا تا کہ اہل علم معلوم کرسکیں کہ طالب علموں کے احساسات کی دنیا کتنی عجیب وغریب ہوتی ہے ، اس لیے ان کے نفسیات کا خیال رکھنا ضروری ہے، اور ایک ماہر استاذ کی ذمہ داری ہے کہ ان کے کیفیات نفسی کا جائزہ لیتا رہے، اور ایسے عمل وحرکت سے باز رہے جس سے طلبہ کے ذہنی الجھن میں اضافہ ہواوران میں محرومی کا احساس پیدا ہو"۔(۲)

طالب علمی کے دور میں خارجی مطالعہ کا شوق: شیخ القرآن کو رب کریم نے ذہن ثاقب عطا کیا تھا، آپ کا ذہن آفاقی تھا، آپ کے اندر تجسس اور تفتیش کا شوق شروع سے تھا، علم وفن کی نئی منزلوں کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رہتے تھے، اور ہر لمحہ اس خیال میں رہتے کہ زیادہ سے زیادہ معلومات کا خزانہ اپنے ذہن ودماغ میں محفوظ کر لیا جائے۔

---

(۱)(انٹرویو)

(۲)انٹرویو

یہی وجہ تھی کہ آپ ہمیشہ دنیا کے احوال واخبار پر نظر رکھتے تھے،اس وقت آزادی حاصل کرنے کے لیے اہل ہند برسر پیکار تھے، ہندوستان کے حالات بڑے ہنگامہ خیز تھے، پل پل حالات بدل رہے تھے، ایسے ماحول میں شیخ القرآن کے اندر مذہبی وادبی کتابوں کے علاوہ اخبارات اور دیگر فنون کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا ، آپ کے مطالعہ کا انداز بھی بڑا نرالا تھا، چنانچہ اس حوالے سے اپنے انٹرویو میں آپ فرماتے ہیں:

''میرا عہد طالب علمی بڑا ہنگامہ خیز تھا، عہد غلامی آخری سانس لے رہا تھا ،حریت کا سورج طلوع ہوگیا تھا ، مسلم لیگ کے عروج کے بعد اس کا زوال ہورہا تھا، ہر طرف لوگوں میں خوف ودہشت کا ماحول تھا، پہلے مجھ کو اخبارات پڑھنے کا شوق ہوا، اخبارات میں لرزہ خیز واقعات کا ذکر ہوتا تھا، جسے پڑھ کر دل دہل جاتا تھا، اور کامل معلومات کا ذخیرہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب ان خبروں کو پڑھا جائے ،جن کو شہ سرخی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ،تو ان کے محل ومقام کے پس منظر کو دیکھا جائے ،چنانچہ جب میں مثلاً ''ٹوکیو'' کی خبریں پڑھتا تھا تو نقشہ اتار کر اس کا محل وقوع بھی دیکھ لیتا تھا،اس کے نتیجے میں دنیا کے متعدد ممالک کی راجدھانیوں کا محل وقوع معلوم ہوگیا تھا،اور سیاسی خبروں سے گونا گوں دلچسپی پیدا ہوگئی تھی ،لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ نظری سیاست کے بجائے عملی سیاست میں کبھی حصہ نہ لیا۔

پھر رفتہ رفتہ اردو ادبیات کا مطالعہ کیا، اردو ادب وشاعری میں میری دلچسپیوں کا زیادہ تر مرکز اقبالیات تھیں، چنانچہ بال جبریل، بانگ درا، شرح اسرار خودی وبے خودی، فلسفۂ اقبال، روح اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ وغیرہ بہت سے مصنفین وادبا کی کتابیں میں نے پڑھ ڈالیں، ان کے مطالعہ سے میرے معلومات میں اضافہ ہوا، اور میری دل

چسپیاں صرف درسیات کی حدتک محدود نہ رہیں بلکہ میں نے اردوزبان وادب میں علم الاقتصاد، معاشیات وسیاسیات کی بہت ساری کتابیں پڑھ ڈالیں، حتیٰ کہ ''ہیگل مارکس'' کے اشتراکی نظام کو سمجھنے کی کوشش کی، یہ ساری معلومات تلشی پور کے عہد طالب علمی سے شروع ہوکراب تک کچھ نہ کچھ برقرار ہیں، اس لیے کہ علم کے سلسلے میں میرامخصوص نظریہ یہ ہے کہ ایک ہی دائرے میں محصور نہیں رہنا چاہئے، گوکہ اصالتاً میرے مطالعہ کا بہترین موضوع دینیات ومذہبیات تھے، اوراب بھی ہیں، لیکن اسی دائرے میں رہ کر میں اپنے آپ کو مقید رکھنا نہیں چاہتا تھا بلکہ میری کاوش یہ رہتی تھی کہ خوب سے خوب تر معلومات میرے ذہن وفکر کو مستنیر کرتی رہیں، گویا میں اس شعر کا مصداق تھا:

ہرنگارے کہ مراپیش نظر می آید
خوش نگارے است ولے خوش تر ازاں می باید

کیوں کہ وسعت نظروفکر کے لیےاس سے بہتر کوئی راہ نہیں''۔(۱)

شیخ القرآن معین المدرسین کی حیثیت سے : انوارالعلوم تلشی پور میں تمام طلبہ میں آپ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی، اسی لیے اساتذۂ کرام کی خاص نگاہ عنایت آپ پر رہتی تھی، عہد طالب علمی کے آخری ایام میں اساتذۂ کرام نے آپ کی علمی لیاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے اور آپ کی تدریسی صلاحیت پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے آپ کو معین المدرسین کی حیثیت سے طلبہ کی تدریسی ذمہ داری سونپ دی، ابتدائی نحو وصرف کی کتابیں پڑھانی شروع کیں، خداداد تدریسی صلاحیت کے جوہر کھلنے لگےاور ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے آپ کی شہرت عام ہونے لگی، طلبہ کے ساتھ بڑی شفقت ومروت اور خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے، اسی لیے طلبہ آپ سے بے حد محبت بھی کرتے تھے، آپ ایک متواضع

(۱)انٹرویو

اور منکسر المزاج طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بارعب مدرس بھی تھے، اسی لیے طلبہ آپ کے ساتھ بے حد ادب واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے، اور طالب علم ہونے کے باوجود آپ کی عزت ایک استاذ جیسی کرتے تھے۔

شیخ القرآن جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں: دارالعلوم انوارالعلوم میں آپ نے تقریباً آٹھ سال تعلیم و تعلم میں گزارے، یہ دور آپ کی شخصیت کے نکھرنے کا بڑا اہم دور تھا، آپ کے اندر حصول علم کا جو شوق تھا اس کی تکمیل کے لیے آپ نے ۱۹۵۴ء میں جامعہ اشرفیہ ،مبارک پور میں داخلہ لیا، اور ۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک جامعہ اشرفیہ میں رہ کر متعدد اساتذۂ کبار اور اساطین امت سے اکتساب فیض کیا، یہ دور آپ کی تعلیمی زندگی کا بڑا زریں دور تھا، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی نگاہ عنایت نے آپ کو ایک قیمتی ہیرہ بنا دیا، جامعہ اشرفیہ میں رہ کر آپ نے جن علماے کرام سے اکتساب فیض کیا ان میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں:

☆ جلالۃ العلم، استاذ العلما، حضور حافظ ملت، مولانا، حافظ وقاری، شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ، محدث مرادآبادی، بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔

☆ محقق جلیل، حضرت علامہ، مولانا، حافظ وقاری عبد الرؤف صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ، سابق نائب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور۔

☆ شیخ العلما، حضرت علامہ، مولانا غلام جیلانی اعظمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ، سابق استاذ دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور۔

☆ بحر العلوم، حضرت علامہ، مولانا مفتی عبد المنان صاحب قبلہ علیہ الرحمہ۔

☆ قاضی شریعت، حضرت علامہ، مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی علیہ الرحمہ، سابق استاذ و ناظم اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔

یہ وہ حضرات ہیں جن کی درس گاہ فیض سے شیخ القرآن نے خصوصی طور سے اکتساب فیض کیا، آپ کی شخصیت سازی میں حضور حافظ ملت کا سب سے اہم کردار رہا ہے، اسی لیے شیخ القرآن حضور حافظ ملت سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے۔

بیعت وارادت: حضور حافظ ملت سے آپ کے تعلقات کا آغاز دارالعلوم انوارالعلوم تلشی پور

ہی سے ہو چکا تھا، حافظ ملت کے جذبۂ اخلاص، ملت کے تئیں آپ کی تڑپ، آپ کی مومنانہ فراست، آپ کی علمی لیاقت، اور آپ کی شفقت ومحبت سے شیخ القرآن بے حد متاثر تھے، دارالعلوم انوارالعلوم ہی میں شیخ القرآن حضور حافظ ملت سے بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے، اور آپ ہی کی تحریک پر آپ کے والد گرامی، برادران اور خاندان کے بہت سارے افراد حضور حافظ ملت سے سعادت بیعت حاصل کر چکے تھے، ضلع بلرامپور میں آپ کے گاؤں کو سب سے پہلے حضور حافظ ملت سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

حضور حافظ ملت سے شیخ القرآن کو بڑی گہری عقیدت تھی، جس کے کئی اسباب تھے، آپ حافظ ملت کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی، ساتھ ہی ساتھ حافظ ملت کے جذبہ اخلاص اور مذہب وملت کی ترویج واشاعت کے مخلصانہ کاموں سے متاثر بھی۔

حضور حافظ ملت سے شیخ القرآن کی عقیدت ومحبت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ آپ اپنے اسم مبارک کے ساتھ ''عزیزی'' کا لفظ بالالتزام لکھتے اور بولتے تھے، آپ کو حضور حافظ ملت کی مومنانہ فراست پر ناز تھا، چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ میرے پیر ومرشد کو اللہ تعالیٰ نے مومنانہ فراست سے بہرہ ور کیا تھا، بسا اوقات آپ کے کاموں کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں، مگر بعد میں ظاہر ہوتا تھا کہ ان میں ہر طرح سے خیر مستور کا پہلو کارفرما ہوا کرتا تھا، چنانچہ جس وقت جامعہ اشرفیہ کی تاسیس وتعمیر کے لیے اہل مبارک پور سے چندہ ہو رہا تھا اسی وقت کا یہ واقعہ ہے کہ ایک محلے میں امید سے کم چندہ ہوا، حضور حافظ ملت نے پر جلال انداز میں فرمایا کہ جلوس واپس لے چلو، کیا اسی طرح کی امداد سے یونیورسٹی کی تعمیر ہوگی۔

حضور شیخ القرآن حافظ ملت کے اس طرز عمل سے افسردہ خاطر تھے، ایک دن بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس دلی کیفیت کا اظہار کیا، حضرت بحر العلوم نے ارشاد فرمایا کہ بزرگوں کے ہر فعل میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے، حضور حافظ ملت کے اس عمل میں بھی کوئی حکمت ہی ہوگی، اور یہ حکمت تب سمجھ میں آئی جب مذکورہ محلے کے لوگوں نے آکر دوبارہ اس محلے میں جلوس لے چلنے کی گزارش کی اور خاطر خواہ مالی

تعاون کا یقین بھی دلایا۔(۱)

آپ حضور حافظ ملت کی فیض رسانی کے بڑے معترف تھے، چنانچہ شروع میں آپ کی زبان میں لکنت تھی، حضور حافظ ملت نے آپ کو "رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھو قولی" کے ورد کا مشورہ دیا، اللہ کے فضل سے اس وظیفے سے آپ کی زبان کی لکنت ختم ہوگئی۔

(۱) ماہنامہ پیام حرم، جولائی، اگست ۲۰۱۱ء

اوصاف وعادات

احساس ذمہ داری : یہ شیخ القرآن کی سب سے نمایاں خوبی ہے، اپنے فرائض کے تئیں آپ بڑے حساس واقع ہوئے تھے، اس بارے میں آپ کسی بھی قسم کی سستی یا لاپرواہی روا نہ رکھتے، ہر فریضے کی ادائیگی بروقت فرماتے، آخری عمر میں بھی راقم الحروف نے دیکھا کہ درس گاہ میں وقت پر جاتے، ذوق وشوق اور پورے جذبے کے ساتھ پڑھاتے تھے، وقت پر گھنٹی مکمل فرماتے، شدید بیماری کی حالت میں بھی گھنٹی ترک نہیں فرماتے، مدرسے کی میٹنگوں اور خصوصی پروگراموں میں شرکت فرماتے۔

خردنوازی : چھوٹوں پر حد درجہ شفقت فرماتے، میں حضرت کا باضابطہ شاگرد نہیں، مگر حضرت مجھ سے بڑی محبت فرماتے تھے، مجھے دیکھ کر اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:

مرے کمال کو ہرگز کوئی زوال نہیں
کمال یہ ہے کہ اس میں کوئی کمال نہیں

ایک بار مجھ سے فرمایا کہ آپ گھر کیسے آتے جاتے ہیں، میں نے عرض کیا موٹر سائیکل سے، آپ نے فرمایا کہ اب موٹر سائیکل سے اتنا لمبا سفر نہیں کرنا، خدانہ خواستہ کوئی حادثہ ہو گیا تو کیا کروگے، یہ حضرت کی حد درجہ خردنوازی اور چھوٹوں پر شفقت تھی۔

طلبہ پر شفقت : تعلیمی معاملات میں آپ طلبہ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں فرماتے، نہایت سختی سے پیش آتے تھے، لیکن دیگر اوقات ومعاملات میں آپ ریشم کی طرح نرم تھے، طلبہ کو ٹوٹ کر چاہتے تھے، درس گاہ میں جس بارعب وجود اور پرجلال چہرے پر نگاہ نہیں ٹھہرتی

تھی اس کی شفقت ومروت کا عالم یہ تھا کہ حضرت مولانا نورالہدی مصباحی کے بیان کے مطابق آپ پوچھتے رہتے تھے کہ کسی طالب علم کا کھانا تونہیں گھٹا ہے، بلکہ تعطیل کلاں کے موقع پر تمام طلبہ سے معافی مانگتے کہ جانے انجانے میں کوئی زیادتی ہوگئی ہوتو معاف کرنا۔

بے پناہ علمی اشتغال: آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ رب قدیر نے آپ کو تعلیم وتعلم ہی کے لیے پیدا فرمایا تھا، عہد طالب علمی ہو یا زمانۂ تدریس آپ کے اندر ہمیشہ حصول علم اور اس کی ترویج کا جذبہ موجزن رہا، آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد رضا نورانی بغدادی فرماتے ہیں:

''ایسا لگتا ہے کہ گویا اپنی زندگی کے لمحات کو اسلامی علوم وفنون کی ترویج واشاعت کے لیے وقف کردیا ہے، اور اس خصوص میں اپنی صحت وتوانائی کا بھی کچھ خیال نہیں رکھتے ہیں، بیمار پڑتے ہیں، پھر دوا علاج سے جیسے ہی کچھ آرام ملا اپنے فرائض کی ادائیگی میں لگ جاتے ہیں، اور جوانوں سے زیادہ محنت وجانفشانی کے عادی نظر آتے ہیں'' ۔(مسائل سود ص ۱۲)

غیرت و نزاکت احساس: آپ بڑے خوددار اور حساس طبیعت کے مالک تھے، نہ تو شریعت وسنت کے خلاف کچھ برداشت کرتے نہ ہی اپنی طبیعت کے خلاف کچھ سننا گوارا کرتے ،آپ جو موقف اختیار فرماتے بہت سوچ سمجھ کر، اور اس کے بعد اسی پر جمے رہتے، یہی وجہ ہے کہ بہت ساری اچھی جگہوں کو آپ نے خیر آباد کہہ دیا، وجہ صرف یہ تھی کہ وہاں آپ کی طبیعت وذوق کے مطابق تعلیمی معاملات نہیں چل سکے، لیکن ایک بڑی خوبی آپ کی یہ بھی ہے کہ کسی بھی ادارہ سے آپ مستعفی ضرور ہوئے مگر کبھی اس کی برائی نہیں فرمائی، بلکہ اس کی تعمیر وترقی کے لیے حتی الامکان کوشش فرماتے رہتے۔

کتابوں سے غیر معلولی محبت: آپ کو کتابوں سے بڑی محبت تھی، اس حوالہ سے حضرت مولانا احمد رضا بغدادی صاحب فرماتے ہیں :

'' آپ کو کتابوں کے ذخائر جمع کرنے اور ان کو محفوظ رکھنے سے عشق وشیفتگی کی حد تک دلچسپی ہے، یہی سبب ہے کہ قلیل مدت میں آپ کی کوششوں اور حسن تدبیر سے ''علیمی لائبریری'' نے بڑی

شہرت حاصل کی، اس میں نادر ونایاب کتابوں کے اکٹھا کرنے میں آپ نے جس حسن تدبیر کا ثبوت دیا، وہ سنہری حروف سے لکھنے کے لائق ہے، اپنے مقاصد حیات میں کتابوں کی فراہمی کو اپنی جماعت کے لئے اہمیت دیتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ جماعت کی علمی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک عظیم لائبریری کی بنیاد ڈالی جائے، جہاں کہیں سفر میں جاتے ہیں کتابوں کی جستجو کی دُھن سوار رہتی ہے، ممبئی کا سفر متعدد بار ہوا اور جب وہاں سے واپس آئے، تو دارالعلوم کے لئے کتابوں کا تحفہ لے کر آئے، کبھی کبھی طالب علموں سے مخاطب ہو کر از راہ مزاح فرماتے ہیں کہ ''افلاطون'' سے زیادہ لذیذ تحفہ میں تم لوگوں کے لیے لاتا ہوں اور اب بھی یہی خواہش وتمنا ہے کہ علیمی لائبریری میں اتنی کتابیں جمع ہو جائیں کہ طبقہ علما میں سے جن حضرات کو کسی بھی عنوان یا موضوع پر تحقیق وریسرچ کی ضرورت ہو تو وہ علیمی لائبریری کا رخ کریں، کاش آپ کی یہ تمنا آپ کی حیات میں پوری ہو جاتی''۔(مسائل سود)

درس تفسیر سے خصوصی لگاؤ: حضرت شیخ القرآن کو قرآنی علوم سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، درس قرآن اور ترجمۂ قرآن میں آپ اپنی مثال آپ تھے، اہل علم نے آپ کی اسی غیر معمولی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے آپ کو ''شیخ القرآن'' کا لقب دیا۔

مگر اس مفسرانہ مہارت اور علوم قرآنیہ میں رسوخ وتبحر کے باوجود آپ کا یہ ارشاد آپ کے کسر نفسی اور شان تواضع کی بہت بڑی دلیل ہے، فرماتے ہیں:

''اس بحر ناپیدا کنار اور اتھاہ سمندر کا ایک قطرہ اگر اس فقیر کو مل جاتا تو دنیا میں اس کا شمار اونچے درجے کے انسانوں میں ہوتا، ابھی تو مجھ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا، اور اب کیا توقع کی جاسکتی ہے، کہ کچھ حاصل ہوگا، کیوں کہ حیات ناپائیدار کے آخری مرحلے میں منزل آخرت کی طرف سفر حیات جاری ہے، اس لیے خدائے قدوس اگر قرآن وحدیث کی کچھ خدمت لے لے، تو یہی اس کی بخشش کا ذریعہ بن سکتی ہے''(مسائل سود ص ۱۴)

تصنیفی خدمات

یوں تو حضور شیخ القرآن علیہ الرحمہ کا زیادہ رجحان درس وتدریس ہی کی طرف تھا، لیکن تصنیفی میدان میں بھی آپ نے طبع آزمائی فرمائی ہے، اور آپ کے زرنگار قلم سے بہت ساری معرکۃ الآرا تصنیفات وتالیفات اور مقالات وجود میں آئے، آپ ایک صاحب طرز ادیب تھے، انداز تحریر اور اسلوب نگارش بالکل جداگانہ تھا، جملوں کی ترتیب وتنظیم، سجع بندی کی رعایت، خوبصورت اور برمحل الفاظ کا انتخاب، قدیم وجدید اردو ادب کے قواعد کی بھرپور رعایت، شگفتگئ تحریر، قواعد املا کا مکمل لحاظ، خوبصورت پیراگرافنگ، سطحیت کے بجائے، گہرائی وگیرائی والے مواد کی پیشکش، اسلاف واخلاف ادبا کے طرز تحریر کی شیرینی یہ سب وہ اوصاف ہیں جو شیخ القرآن کی تحریروں کو امتیازی شان عطا کرتے ہیں۔

آپ کی بیشتر تحریروں میں تحقیقی رنگ جھلکتا ہے، دقیق سے دقیق معانی کو الفاظ کا پیرہن پہنا کر محسوس بنانے کا ہنر کوئی آپ سے سیکھے، مزاج تحقیقی تھا، اس لیے آپ کی تحریر وتقریر دونوں پر تحقیقی رنگ غالب رہتا تھا۔

شیخ القرآن کی تحریروں میں وسعت خیالی اور تحقیق وجستجو کے بے شمار شواہد ملتے ہیں، آپ تحریر وتقریر میں اس تقلید جامد کے خلاف تھے جو انسان کی فکری صلاحیت کو بانجھ بنادے، اور تحقیق وتدقیق کی نئی منزلوں سے محروم کردے، معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”میرا ذہن وفکر یہ ہے کہ تصنیف وتالیف ومطالعہ کتب کے بارے میں وسعت خیالی ہونا چاہئے، اس میں ایسی تقلید جامد جو تحقیق وجستجو کی راہ میں

حائل ہواس سے کنارہ کش رہنا چاہئے ، اس لیے اپنی جماعت کے اہل علم ''معارف التنزیل''میں جا بجا میری فکری کاوش کو ملاحظہ فرمائیں گے ، کہیں کہیں اپنی ناقص رائے کا دخل نظر آئے گا ، بعض جگہوں میں علامہ ابوالبرکات نسفی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف رائے کی جرأت و ہمت بھی کی ہے۔(۱)

مگر شیخ القرآن اس اعلیٰ علمی وقلمی لیاقت کے باوجود اپنی ممکنہ تحقیقی خطاؤں کے امکان کا اعتراف بھی کرتے ہیں ، اور انسانی فطرت کے تقاضے کے تحت سہو ونسیان سے انکار بھی نہیں کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

'' ظاہر ہے اس انداز کی فکری کاوش میں ذہن کو ٹھوکر بھی لگتی ہے ، اس لیے عین ممکن ہے کہ کہیں کہیں مجھ سے لغزشیں بھی ہوگئی ہوں ، لیکن انصاف ودیانت کے ساتھ ہوائے نفس میں مبتلا ہوئے بغیر جو کچھ مجھ سے ہوسکا اپنی جماعت کے اہل علم کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں''۔(۲)

شیخ القرآن کی زیادہ تر مصروفیت تدریس میں رہی ، اس لیے آپ کے رشحات قلم سے اہل علم کما حقہ مستفید نہیں ہو سکے، مگر یہ بھی حکمت الہیہ کے تحت تھا، شروع میں تصنیفی شوق بیدار ہوا تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی نعتوں اور منقبتوں کے مجموعہ'' حدائق بخشش'' کی شرح کا کام شروع فرمایا، مگر آپ کے استاذ محترم حضرت شیخ العلما، علامہ غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا کہ'' آپ ایک اعلیٰ درجے کے مدرس ہیں ، اگر آپ نے تصنیف وتالیف کا کام شروع کیا تو تدریس کے کام میں خلل واقع ہوگا ، استاذ محترم کے اس خیر خواہانہ مشورے پر آپ نے عمل کیا،

---

(۱) مقدمہ معارف التنزیل صفحہ ۳۲

۲

اوراپنی پوری صلاحیت ولیاقت تدریس میں صرف فرمادی، جس کا خوش گوار نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کی درس گاہ فیض سے ایک سے بڑھ کر ایک محقق ومصنف پیدا ہوئے ،جن کی تصنیفات وتالیفات سے ایک عالم مستفیض ومستنیر ہوا، یقیناً شیخ القرآن مصنف ہی نہیں بلکہ مصنف گر تھے۔

شیخ القرآن کی وہ تصنیفات ومقالات جو میرے محدود علم میں ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

☆ معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل ☆ مسائل سود ☆ سفر حجاز ☆ جسمانی معراج کا شرعی ثبوت ☆ خواطر قلبی کے احکام ☆ اسلام میں عقل انسانی کا احترام ☆ قاری طیب کے تسامحات (متعدد قسطوں میں) ☆ مسئلہ کفاءت کی واضح تصویر ☆ عالم خواب کی تفسیر ☆ مرشد برحق کی عظیم شخصیت ☆ حافظ ملت قدس سرہ کا نظریہ تعلیم ☆ قاضی شریعت اسلام کے بے لوث خادم ☆ بحرالعلوم کی بارگاہ میں خراج عقیدت ☆ مولانا عبدالرؤف کی حیات وخدمات ☆ قائد اہل سنت اپنے کردار وعمل کے آئینے میں ☆ اخوت اسلامی کا احترام۔

اول الذکر دو کتابیں مطبوع ہوکر مقبول انام ہوچکی ہیں ،جب کہ تیسری کتاب در حقیقت مقالہ ہے جو ''ماہنامہ پیام حرم'' میں کئی قسطوں میں شائع ہوا ہے، ان کے علاوہ باقی سب مقالات ہیں جو ملک کے موقر جرائد ورسائل کی زینت ہیں، اور جن کو جمع کر دیا جائے تو ''مضامین شیخ القرآن'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

ان میں سے بیشتر مقالات اپنی ضخامت کے لحاظ سے پوری کتاب کا درجہ رکھتے ہیں ،کاش کوئی مرد قلندر ان مقالات کو چھوٹے چھوٹے رسائل اور کتابچوں کی شکل میں اشاعت کرانے کی کمر کس لے، تو یہ شیخ القرآن کی خدمت میں بہترین خراج عقیدت ہوگا۔

ان کتابوں اور مقالات پر وہ تاثرات وتقریظات مستزاد ہیں جو حضرت نے دوسری کتابوں اور تحریروں پر رقم فرمائے ہیں۔

دو عظیم کتابیں: اس وقت میرے مطالعہ کی میز پر حضرت کی دو عظیم کتابیں ہیں، ایک تو ''مسائل سود'' دوسری ''معارف التنزیل'' ان دونوں کتابوں کا ایک اجمالی تجزیاتی مطالعہ پیش

کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اس تجزیاتی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ القرآن کا متجسس اور تحقیقی مزاج ہر شاخ پر گل کھلانے کا عادی تھا، تفسیر کے ساتھ دیگر علوم وفنون میں بھی تبحر علمی مسلم تھا، یوں تو آپ ایک عظیم مفسر کی حیثیت سے معروف تھے، لیکن ''مسائل سود'' کے مطالعہ کے بعد قارئین اس حقیقت کے اعتراف میں دیر نہیں کریں گے کہ آپ ایک عظیم مفتی اور فقیہ بھی تھے، رموز فقہ وافتا سے آشنا، اور فقہی بصیرت کے حامل تھے، ذیل میں سب سے پہلے ''معارف التنزیل'' کا تجزیاتی مطالعہ پیش خدمت ہے۔

معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل

زیر نظر کتاب ۷۱۲ صفحات پر مشتمل ایک عظیم تحقیقی شاہ کار ہے، یہ حضور شیخ القرآن کی سب سے عظیم تحقیقی یادگار ہے، جو فن تفسیر کی نہایت ہی مقبول و مستند کتاب مدارک التنزیل کی اردو شرح ہے۔

اس کتاب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ حضور شیخ القرآن کو ''مدارک التنزیل'' پڑھانے میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، جامعہ اشرفیہ میں مدارک التنزیل پڑھاتے تھے، اس کتاب سے غیر معمولی دلچسپی اور آپ کی تفسیری لیاقت واہلیت دیکھتے ہوئے بعض احباب نے آپ سے مدارک کی شرح کے لیے گزارش کی، آپ نے تدریسی مصروفیات کی بنا پر اس کام سے معذوری ظاہر فرمائی، مگر جب کوئی کام ہونا رہتا ہے تو غیب سے اس کے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں، اور کوئی نہ کوئی ذریعہ نکل ہی آتا ہے، حضرت شیخ القرآن کے محترم ومکرم استاذ، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب علیہ الرحمہ کے ارشاد وخواہش نے حضرت کو ''معارف التنزیل'' لکھنے پر مجبور کر دیا، چنانچہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

> ''تاہم اپنے استاذ کریم، بحر العلوم، یادگار سلف، مفتی عبد المنان صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے تعمیل ارشاد اور دوسرے اہل علم کے مطالبہ پر کمر ہمت کس لی، اور طرح طرح کے موانع کے باوجود الجامعۃ الاسلامیہ روناہی میں اس

عظیم خدمت کے لیے آمادہ ہوگیا''۔(۱)

یہ شرح اردو زبان میں ہے، زبان و بیان نہایت نرالا، دلچسپ، فصاحت و بلاغت سے معمور، اور سادہ و عام فہم ہے، اختصار کے ساتھ جامعیت اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے، وجہ اختصار یہ ہے کہ عصر حاضر میں لوگ ''مختصر'' سے گھبرا جاتے ہیں تو مطول کہاں پڑھتے، خود ہی حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

''گونا گوں اسباب کی بنا پر اس شرح کی تالیف میں مجھ کو اختصار سے کام لینا پڑا، بہت سے مقامات پر میں محسوس کر رہا تھا کہ مباحث میں وسعت و پھیلاؤ ہونا چاہئے، لیکن قصداً صرف نظر کیا، ایجاز و اقتصار سے کام لیا، کیوں کہ اپنی جماعت کے اہل علم جب اپنا ذہن کبھی ''مختصر'' کی طرف مائل نہیں کرتے تو ''مطول'' کے مطالعہ کے لیے کہاں سے وقت نکال پاتے''۔(۲)

کتاب میں بہت ساری خصوصیات ہیں، چنانچہ حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ اس کی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''معارف التنزیل'' اردو زبان میں ''مدارک التنزیل'' کی پہلی شرح ہے، جو علوم و معارف کا خزینہ اور اردو ادب کا شاہکار ہے، اس کے قاری کو حسب ذیل خوبیوں کا احساس نمایاں طور پر ہوگا:

☆ اس میں مشکل الفاظ کے معانی پوری تحقیق کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

☆ ترجمہ بہت سلیس، عام فہم زبان میں کیا گیا ہے، اور ترجمۂ قرآن میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ترجمہ ''کنز الایمان'' سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ تشریح ایسے بہتر اسلوب میں کی گئی ہے کہ کتاب کے مضامین بڑی

---

(۱) مقدمہ معارف التنزیل

(۲) مقدمہ صفحہ ۳۳

آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتے ہیں ،ان خوبیوں کی وجہ سے یہ شرح اساتذہ اور طلبہ کے لیے بہت مفید ہے۔

☆تفسیر میں جہاں کہیں انبیاے کرام علیھم السلام، بالخصوص سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اجمالی اشارے کیے گئے ہیں ان کی تفصیل شرح میں بیان کر دی گئی ہے۔

☆ کہیں کہیں مفسر قرآن حضرت علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے سے اختلاف کیا گیا ہے،اور اس کے دلائل بھی پیش کیے گئے ہیں۔

☆ آیات کریمہ کی تفسیر میں جہاں کہیں مفسرین کے اختلافات ہیں ان کو بیان کر کے لائق ترجیح قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

☆متعدد مقامات پر اردو مترجمین کا علمی محاسبہ بھی کیا گیا ہے۔

☆ مدارک التنزیل کی بعض وہ عبارتیں جن کی اصلاح کی گئی ان کو معارف التنزیل کے مطالعہ سے جانا جا سکتا ہے۔

کتاب کا اسلوب کچھ یوں ہے کہ اولاً جس سورۃ کی تفسیر کی جانی تھی پہلے اس کا مختصر مگر جامع تعارف پیش کیا گیا ہے،اس تعارف میں سورۃ کا نام،زمانۂ نزول اور موضوع و مضامین کے تعلق سے عالمانہ تحقیقات پیش کی گئی ہیں،اس کے بعد سورۃ کی چند آیات سے شرح کا آغاز کیا گیا ہے، شرح میں سب سے پہلے حل لغات پر توجہ دی گئی ہے،اس کے بعد ترجمہ پھر شرح و بیان کا آغاز ہوتا ہے،اس شرح و بیان میں چند امور کا لحاظ رکھا گیا ہے:

☆ زیر تفسیر آیات سے پیدا ہونے والے اشکالات واوہام کے عقلی و نقلی جوابات دیئے گئے ہیں۔

☆ آیات میں وارد اعلام کی تحقیق کتب تفسیر اور دیگر تاریخی ولغوی کتابوں

کی مدد سے کی گئی ہے۔

☆ تاریخی مقامات پر جغرافیہ کی مدد سے بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

☆ آیات میں موجود وجوہ بلاغت کی نشان دہی کی گئی ہے۔

☆ اہم نکات وفوائد بیان کیے گئے ہیں۔

☆ اسلوب قرآنی کی امتیازی شان اور انفرادیت بیان کی گئی ہے۔

بہرحال یہ شرح اپنی نوعیت کی منفرد وممتاز شرح ہے، اس کتاب کی افادیت کی شہادت حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ نے ان الفاظ میں دی ہے:

''ان شاء اللہ اس سے بہت سے پڑھنے والوں بلکہ پڑھانے والوں کا بھی بھلا ہوگا''۔(۱)

(۱) تقریظ جلیل بر معارف التنزیل صفحہ ۲۰

مسائل سود

زیر نظر تالیف شیخ القرآن علیہ الرحمہ کے فقہی تبحر کی عظیم نشانی ہے، اس کتاب کے مطالعہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ شیخ القرآن ایک عظیم مفسر اور بلند پایہ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ لائق وفائق مفتی اور متبحر فقیہ بھی تھے، اپنے دور میں پیدا شدہ نو پید مسائل کا حل جس طرح سے آپ نے پیش فرمایا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک محتاط اور بالغ نظر مفتی اور مسائل جدیدہ کے محقق تھے۔

''ربو''جس کی حرمت وقباحت شریعت اسلامیہ میں مسلم ہے، اسی سے متعلق قدیم وجدید مسائل پر شیخ القرآن نے اس کتاب میں نایاب تحقیقات پیش فرمائی ہیں، کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول: میں حرمت سود کے ادوار پیش کیے گئے ہیں، اور سود کی شناعت وقباحت پر عقل ونقل سے استدلال کرتے ہوئے معلومات کا ایک خزانہ پیش کیا گیا ہے۔

باب دوم: میں مصنف نے سود کی حرمت وقباحت پر متعدد احادیث وواقعات سے استدلال پیش کرتے ہوئے ثابت فرمایا ہے کہ سود ہلاکت خیز ہے، اور سودی کاروبار نہ تو کرنا جائز ہے، اور نہ ہی اس کاروبار میں کسی طرح کی معاونت جائز ہے۔

باب سوم: میں ربو کی لغوی وشرعی تحقیق پیش کی گئی ہے، ربو کی مختلف صورتوں کا حکم، اور اس بارے میں ائمہ کرام کے اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب چہارم: میں بہت سارے نو پید مسائل زیر بحث آئے ہیں، مثلاً بینک اور اس کے

انٹرسٹ کا مسئلہ، جیون بیمہ، اور اس طرح کی اسکیموں سے نفع اندوزی کا مسئلہ، یہ سارے مسائل شیخ القرآن نے بڑے حسن وخوبی کے ساتھ حل فرمائے ہیں، اس بارے میں شیخ القرآن نے فتویٰ کے ساتھ تقوی کا دامن بھی نہیں چھوڑا ہے، امام احمد رضا کے فتاویٰ سے استناد بھی کیا ہے، اور اعلی حضرت کے فتاویٰ کے نکات بھی بیان فرمائے ہیں۔

باب پنجم: میں بیوع فاسدہ کا بیان ہے، اس باب کے تحت خون کی خرید وفروخت، لاٹری کی حرمت، اور مضاربت وشرکت سے متعلق بہت سارے تحقیق طلب مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

باب ششم: میں سود اور صدقہ میں فرق، مال جمع کرنے کی سزا، مصارف زکوۃ، زکوۃ کی حکمت بالغہ، صدقہ کا مفہوم، اور بہت سارے مسائل زکوۃ کا بیان ہے، بلاشبہہ یہ باب اس کتاب کا خلاصہ ہے۔

کتاب کا انتساب حضور حافظ ملت، علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کی طرف ہے، اور اس پر تقریظ جلیل بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ کی ہے، صاحب کتاب کے حالات زندگی پر ایک وقیع تحریر حضرت علامہ احمد رضا بغدادی کی طرف سے پیش کی گئی ہے، اور تقدیم خود شیخ القرآن نے لکھی ہے۔

کتاب لکھنے کی تحریک الحاج احمد عمر ڈوسا صاحب ممبئی نے کی، اور اس کتاب کی طباعت واشاعت کے اخراجات بھی آپ ہی نے برداشت کیے۔

بہر حال یہ کتاب شیخ القرآن کی بہت ہی عظیم تحقیقی علمی یادگار ہے، ہر طالب علم اور متلاشی حق کو اس کا مطالعہ سود مند رہے گا۔

تدریسی خدمات

حضور شیخ القرآن کو اللہ رب العزت نے بہت ساری صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپ ایک مصنف بھی تھے، ایک مقرر بھی تھے، اور ایک اچھے منتظم بھی تھے، مگر ان ساری خوبیوں میں آپ کی تدریسی صلاحیت بے نظیر تھی۔

۵۵ رسالوں پر محیط آپ کی تدریسی زندگی قابل رشک تھی، ہندوستان کے مرکزی مدارس کی درس گاہوں کی آپ زینت بنے، جامعہ اشرفیہ، دارالعلوم علیمیہ، جامعہ اسلامیہ روناہی، تنویرالاسلام امرڈوبھا، فیض الرسول براؤں شریف، جیسے عظیم دینی اداروں میں ایک لائق فائق استاذ، ایک بہترین صدر مدرس، اور قابل شیخ الحدیث بن کر علم کے پیاسوں کو سیراب کرتے رہے۔

آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز عہد طالب علمی ہی سے ہو چکا تھا، دارالعلوم انوارالعلوم تلشی پور میں معین المدرسین کی حیثیت سے آپ کو تعلیمی تجربہ حاصل ہو چکا تھا، باضابطہ تدریسی دور کا آغاز جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد ہوا۔

حضور شیخ القرآن کی شہرت اہل علم میں کئی جہتوں سے تھی، مگر آپ کو شہرت دوام ایک مدرس ہی کی حیثیت سے حاصل ہوئی، آپ کی تدریس مثالی تھی، عینی شاہدین آج بھی بتاتے ہیں کہ آپ کی تدریس میں ایسی روانی، اور خطیبانہ ولولہ رہتا تھا، کہ طلبہ درس ہی میں نعرہ لگانے پر مجبور ہو جاتے تھے، دور آخیر میں جب ۲۰۰۸ء میں حضور شیخ القرآن جامعہ اسلامیہ روناہی سے علیمیہ جمدا شاہی تشریف لائے تو اس وقت حضرت ہی کی درس گاہ کے قریب میری بھی درس گاہ ہوا کرتی تھی، حضرت مائک سے پڑھاتے تھے، اس ضعیف العمری میں بھی ایسے پر جوش انداز

میں پڑھاتے تھے، کہ ہم نوجوانوں کو رشک آتا تھا، بسا اوقات دارالاقامہ طلبہ کے نعروں سے گونج اٹھتا تھا، یہ نعرے شیخ القرآن کے جوش تدریس میں مزید اضافہ کرتے اور طبیعت کی ناسازی کو در کنار کر کے حضرت شیخ القرآن مزید ولولے اور روانی کے ساتھ پڑھانے لگتے۔

ظاہر ہے اس عمر میں جب تدریس کا یہ حال تھا تو دور تدریس کے آغاز میں کیا حال رہا ہوگا۔

آپ کی کامیاب تدریس کے بہت سارے اسباب تھے، ایک تو یہ کہ آپ جو بھی پڑھاتے دل سے پڑھاتے، تدریس میں ڈوب جاتے، اور پڑھانے کے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر صرف تدریس ہی کو پیش نظر رکھتے، دوسرا یہ کہ آپ تدریس سے متعلق مضمون کی بھرپور تیاری فرماتے، اس سے متعلق ہر معاون کتاب کا مطالعہ فرماتے، لیکن غیر معیاری شروحات کو ہاتھ نہ لگاتے، ہمیشہ اعلی معیار کی کتابیں ہی زیر مطالعہ رہتیں، تیسرا سبب یہ ہے کہ آپ طلبہ پر ایسی شفقت وعنایت فرماتے کہ طلبہ ہمہ تن گوش ہو کر آپ کی باتیں سنتے تھے، معمولی سی معمولی باتوں پر طلبہ کی حوصلہ افزائی فرماتے، وہ طلبہ جو فطرتاً نیک اور محنت کش ہوتے ان کی تعلیم و تربیت پر بھر پور توجہ دیتے۔

شیخ القرآن کو یوں تو ہر فن کی تدریس میں ید طولی حاصل تھا، مگر تفسیر سے آپ کو خصوصی شغف تھا۔

شیخ القرآن کو علم حدیث سے بھی خصوصی شغف تھا، چنانچہ کچھ عرصے تک حضور حافظ ملت کے حکم پر آپ نے تنویر الاسلام امرڈوبھا میں شیخ الحدیث کے منصب پر رہ کر اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی تدریس کا شرف حاصل کیا۔

فراغت کے بعد سب سے پہلے جامعہ حمیدیہ بنارس، پھر شاہ جہاں پور کے مدرسہ فیض عام میں تدریسی فرائض انجام دیئے، اس کے بعد دارالعلوم ربانیہ باندہ، فیض الرسول براؤں شریف، تنویر الاسلام امرڈوبھا، جامعہ اسلامیہ روناہی، دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور جیسے اداروں میں تشنگان علم کو سیراب کیا۔

شیخ القرآن کے چند مشہور تلامذہ : شیخ القرآن کی درس گاہ سے ایک عالم فیضیاب ہوا، چند مشہور تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

☆ مفتی شعبان علی حبابی نعیمی، ممبئی ☆ قاری ظہور احمد صاحب، سابق استاذ دار العلوم تنویر الاسلام ،امرڈوبھا، کبیر نگر ☆ حضرت علامہ، مفتی حفیظ اللہ نعیمی، بانی و مہتمم جامعہ عائشہ، پچپڑوا، بلرام پور ☆ پیر طریقت، رہبر شریعت، حضرت علامہ غلام عبد القادر علوی صاحب، ناظم اعلیٰ فیض الرسول ، براؤں شریف ☆ حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی مصباحی، صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی ☆ حضرت علامہ محمد قمر عالم قادری صاحب، شیخ الحدیث دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی ☆ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین، نائب صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی ☆ حضرت علامہ محمد شفیق الرحمٰن صاحب، دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی ☆ حضرت علامہ مفتی حبیب اللہ نعیمی، استاذ دار العلوم فضل رحمانیہ، پچپڑوا، بلرام پور ☆ حضرت علامہ، مفتی عبد السلام صاحب ، دار العلوم انوار العلوم ، تلشی پور، بلرام پور ☆ حضرت علامہ مسیح احمد صاحب ، صدر المدرسین جامعہ انوار القرآن ، بلرام پور ☆ حضرت علامہ، مفتی ، محمد نظام الدین رضوی ، صدر شعبۂ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور ☆ حضرت علامہ محمد شمس الہدیٰ مصباحی، برطانیہ ☆ حضرت علامہ محمد مسعود احمد برکاتی، امریکہ ☆ حضرت علامہ معین الحق علیمی، جمدا شاہی، بستی ☆ حضرت علامہ محمد شفیق الرحمٰن عزیزی، کنویز ورلڈ اسلامک مشن، ہالینڈ ☆ حضرت علامہ مفتی محمد اختر حسین قادری، دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی ☆ حضرت علامہ محمد امید علی صاحب، دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی ☆ حضرت علامہ، ڈاکٹر محمد معراج الحق بغدادی، دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی ☆ حضرت علامہ محمد احمد رضا نورانی، دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی ☆ حضرت مولانا، صوفی عبد المطلب علیمی ، ڈائرکٹر فقہ اسلامی ریسرچ سینٹر، رائے پور، چھتیس گڑھ ☆ حضرت علامہ محمد سعید نورانی صاحب ، استاذ دار العلوم مدینۃ العربیہ، قصبہ دوست پور، ضلع سلطان پور، یوپی ☆ حضرت علامہ محمد حبیب الرحمٰن صاحب، بانی و مہتمم جامعہ حضرت صوفی نظام الدین ،لہرولی بازار، کبیر نگر، یوپی ☆ حضرت مولانا محمد طیب صاحب، دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی ☆ حضرت مولانا کلام احمد

علیمی، اشرفی، سدھارتھ نگر☆ حضرت مولانا سید جامی اشرف علیمی، کچھوچھہ شریف، امبیڈکر نگر، یوپی☆ حضرت مولانا قاری محمد ہاشم صاحب، دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی☆ حضرت مولانا الحاج محمد امیر القادری علیمی، دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی۔

شیخ القرآن اور دار العلوم علیمیہ : شیخ القرآن علیہ الرحمہ کی سب سے بڑی کرامت دارالعلوم علیمیہ کی نشاۃ ثانیہ ہے، یوں تو اس ادارے کی بنیاد ۱۹۵۳ء میں پڑ چکی تھی، لیکن اس کا دور زرریں تب آیا جب حضور شیخ القرآن نے اس ادارے کو اپنی تدریسی وانتظامی خدمات سے سرفراز کیا، آج جو کچھ بھی علیمیہ میں ہے وہ شیخ القرآن کی دعاؤں اور کوششوں کی بدولت ہے، دارالعلوم کا تعلیمی معیار، نصاب تعلیم، نظام تدریس، تعمیری ترقی، شاندار لائبریری، یہ سب چیزیں حضور شیخ القرآن کی نگاہ فیض کا کرشمہ ہیں، میرے اس نظریے کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ دوسرے بزرگوں اور بڑوں کا علیمیہ کی تعمیر وترقی میں کوئی کردار نہیں، یقیناً ہے، مگر ان سب میں شیخ القرآن کا کردار نمایاں ہے، اور ان کی مساعی جمیلہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

دار العلوم علیمیہ میں شیخ القرآن کا ورود مسعود : ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم علیمیہ کے ارباب حل وعقد نے یہ فیصلہ کیا کہ دارالعلوم علیمیہ کو بام عروج تک پہونچانے کے لیے اس ادارے کے لیے شیخ القرآن کی خدمات حاصل کی جائیں، چنانچہ قائد ملت، علامہ محمد حنیف قادری کی قیادت میں حضرت علامہ معین الحق علیمی صاحب، عالی جناب محمد رضا مرحوم، سابق منیجر دارالعلوم علیمیہ، مولانا محمد ایوب قادری، جمداشاہی، یہ سب حضرات جامعہ اشرفیہ حاضر ہوئے اور شیخ القرآن کی خدمت میں عریضہ پیش کیا کہ آپ ہمارے یہاں تشریف لے چلیں، اور اپنے قدوم میمنت لزوم سے ادارہ کو ترقی عطا فرمائیں، اس وقت شیخ القرآن کے لیے فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا، ایک طرف جامعہ اشرفیہ جیسا عالم گیر، شہرت یافتہ مدرسہ تھا، دوسری طرف علیمیہ جیسا گمنام ادارہ، اس کشمکش کی گھڑی میں فیصلہ من جانب اللہ ہوا، اور شیخ القرآن کے دل میں یہ بات آئی کہ:

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں

زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

اور پھر یہ مرد قلندر اسی صحرا کو لالہ زار بنانے کے لیے کمر بستہ ہو گیا، اشرفیہ کو چھوڑ کر شیخ القرآن علیمیہ میں تشریف لائے، ایک عجیب انقلاب برپا ہوا، تعلیم و تعمیر دونوں شعبوں میں حیرت انگیز ترقی ہوئی، لائق و فائق اساتذہ کی تقرری عمل میں آئی، علیمی لائبریری کو کتابوں سے مالا مال کیا گیا، تعلیم کے ساتھ باضابطہ تربیت کا نظم کیا گیا، اور اس طرح آپ کی آمد علیمیہ کے لیے بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔

اس تعلیمی و تربیتی انقلاب کے لیے زر کثیر کی ضرورت تھی، اللہ رب العزت کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے سیٹھ غلام مصطفے مرحوم کو اور صحت و سلامتی عطا فرمائے محسن ملت، حضرت علامہ معین الحق علیمی صاحب مدظلہ العالی کو، یہ دونوں حضرات دامے، درمے، قدمے، سخنے شیخ القرآن کے ارشاد پر علیمیہ کی امداد فرماتے رہے، اور اس طرح شیخ القرآن نے چند سالوں میں دارالعلوم علیمیہ کو وہ شہرت و رفتار عطا کی کہ ایک خالص دیہاتی خطہ کا یہ ادارہ عالم گیر شہرت کا حامل بن گیا۔

شیخ القرآن کی آمد کے بعد ادارہ میں فضیلت تک کی تعلیم کا آغاز ہوا، تعلیم میں بہتری اور مضبوطی پیدا کرنے کے لیے نظام امتحان کو صاف وشفاف بنایا، طلبہ میں شوق تعلیم کو جلا بخشنے کی غرض سے ہر جماعت میں اول، دوئم پوزیشن والے طلبہ کو ماہانہ وظیفہ جاری فرمایا، ہفتہ واری بزم ادب کا آغاز کیا، جدار یے اور وال میگزین کی اشاعت کروائی، اور اس طرح آپ کی ان مدبرانہ کوششوں سے چند ہی سالوں میں علیمیہ تشنگان علم کا مرکز توجہ بن گیا۔

شیخ القرآن کی سوچ آفاقی تھی، آپ کچھ نیا کرنے کا جذبہ رکھتے تھے، اسی فکر کے تحت پہلی بار آپ نے اپنے یہاں کے چند طلبہ کو جامعہ صدام للعلوم الاسلامیہ، بغداد میں داخلہ کروایا، اور قائد اہل سنت شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ کے تعاون سے ان کو وہاں تعلیم دلوائی۔

۳۰؍جون ۱۹۹۶ء کو علیمیہ میں آپ کی سرکاری ملازمت کی مدت پوری ہوگئی، اور الجامعۃ الاسلامیہ روناہی کے ارباب بست وکشاد کے اصرار پر آپ روناہی تشریف لے گئے،

وہاں آپ کا تشریف لے جانا امت مسلمہ کے حق میں بہت مفید رہا،آپ نے وہاں پر رہ کر مدارک التنزیل کی شرح ''معارف التنزیل'' تحریر فرمائی، بلاشبہہ یہ اردو زبان میں مدارک کی نایاب شرح ہے۔

شیخ القرآن بھلے ہی علیمیہ سے مکانی اعتبار سے دور تھے،مگر قلبی اعتبار سے آپ ہمیشہ علیمیہ ہی میں رہے،آپ کا دل و دماغ ہمیشہ علیمیہ ہی میں لگا رہتا تھا،ایک بار راقم الحروف حضرت علامہ معین الحق علیمی صاحب قبلہ کے ساتھ رونا ہی گیا،حضرت سے ملاقات ہوئی،سب سے پہلے علیمیہ ہی کے بارے میں پوچھا، یقیناً یہ علیمیہ کے ساتھ آپ کے دلی لگاؤ اور گہرے ربط کی دلیل ہے۔

شیخ القرآن کی عدم موجودگی میں انھیں کے تربیت یافتہ شاگرد رشید، حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی صاحب قبلہ کی صدر مدرسی میں یہ ادارہ روز افزوں ترقی کرتا رہا،علم کی نئی منزلیں طے کرتا رہا، تعلیم وترقی کے میدان میں آگے بڑھتا رہا، شیخ القرآن حضرت علامہ اعظمی کی کار کردگی سنتے تو دل سے دعا دیتے،اور علیمیہ کی ترقی پر بے حد خوش ہوتے۔

۲۰۰۸ء میں شیخ القرآن دوبارہ علیمیہ کی زینت بنے ، یہ آپ کی تدریسی زندگی کا آخری دور تھا،ضعف ونقاہت اور متعدد بیماریاں آپ کو تدریس کی اجازت نہیں دے رہی تھیں ،مگر تدریس شیخ القرآن کی روحانی غذا تھی، بھلا وہ اسے کیسے چھوڑ دیتے،آواز پست ہوگئی تھی،اس لیے مائک سے تدریس کا انتظام ہوا،اس ضعیفی کے دور میں بھی آپ کی تدریس قابل رشک تھی۔
یہاں آنے کے بعد آپ کی طبیعت میں کافی بہتری آئی،حضرت علامہ معین الحق صاحب اپنے اس محسن کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہتے تھے، بیماریوں کا علاج کرواتے، ہمیشہ مزاج پرسی فرماتے، کبھی آپ کو اجنبیت یا تنہائی کا احساس نہ ہونے دیا، بالکل ایک بیٹے کی طرح خدمت کی، شیخ القرآن آپ سے بے حد خوش رہتے تھے، اسی طرح جمدا شاہی کے ایک معزز اور صاحب خیر فرد الحاج وصی الدین اور ان کے برادران الحاج شہنشاہ حسین،الحاج شمس الدین وغیرہ نے بھی حضرت کی خدمت میں کوئی کمی نہیں کی،اور حتی الامکان آپ کو آرام وسہولت

پہونچانے کے لئے کوشاں رہے۔

وفات : علم و فضل کا یہ آفتاب عرصۂ دراز تک آسمان علم پر چمکتا دمکتا رہا، لیکن قانون قدرت سے کسے چارۂ کار ہے، آخر کار ایک دن یہ آفتاب روپوش ہو گیا، ایک طویل عرصے سے شیخ القرآن بلڈ پریشر، شوگر، تنفس اور دیگر امراض میں مبتلا تھے، آپ کبھی بھی علاج میں لا پرواہی نہیں فرماتے تھے، ۷ جولائی کو تنفس میں پریشانی کا احساس ہوا تو آپ علاج کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں پر حضرت قاری محمد احمد بقائی، حضرت قاری ذاکر علی، ڈاکٹر محمد ضرار، حضرت مولانا محمد حسیب صاحب جامعہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ نے آپسی صلاح و مشورے کے بعد حضرت کو لکھنؤ ہاسپٹل، ڈالی گنج میں ایڈمٹ کرادیا، علاج ہوا، نمونیا کی تشخیص ہوئی، اللہ کا کرم کہ کافی حد تک افاقہ بھی ہوا، جمدا شاہی واپسی کے لئے ٹکٹ بھی ریزرو کرالیا گیا، مگر اللہ کی مرضی کہ اچانک طبیعت بگڑی اور ۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۷/ جولائی ۲۰۱۱ء کو آپ اپنے خالق حقیقی سے جاملے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے آبائی وطن ''ناؤڈیہہ'' والوں کی خواہش تھی کہ آپ کی تدفین وہیں پر ہو، مگر آپ کے وصیت نامے کو دیکھ کر سب نے اس پر اتفاق کیا کہ جمدا شاہی ہی میں حضرت کی آخری آرام گاہ بنائی جائے، چنانچہ لکھنؤ سے اعزہ واقربا کو زیارت کروانے کے لیے ناؤ ڈیہہ آپ کا جسد خاکی لے جایا گیا، اور پھر وہاں سے جمدا شاہی لاکر آپ کی تدفین کی تیاری ہونے لگی۔

ان دنوں مدارس میں چھٹی ہو چکی تھی، مگر یہ خبر عام ہوتے ہی، دارالعلوم علیمیہ میں آپ کے تلامذہ اور معتقدین جوق در جوق آنے لگے، حضرت علامہ محمد قمر عالم صاحب، شیخ الحدیث ادارہ ہذا، حضرت علامہ محمد ایوب قادری، حضرت مولانا وقار احمد اور حافظ عین الحق نے حضرت کو غسل دیا، اور آپ کے کرم فرما استاذ و مربی، حضرت بحرالعلوم، علامہ، مفتی عبدالمنان صاحب علیہ الرحمہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

۱۸/ جولائی ۲۰۱۱ء دو بجے دن کو آپ کی نماز جنازہ ہوئی اور اسی دن جمدا شاہی کی عید گاہ سے متصل ایک باغ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، یہ حضرت شیخ القرآن کی علیمیہ اور

جمد اشاہی سے محبت کی آخری منزل تھی کہ اپنے جسد خاکی کو بھی سرزمین جمد اشاہی میں ضم کر دیا۔

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، فیض الرسول، براؤں شریف، جامعہ اسلامیہ، روناہی، فضل رحمانیہ، پچپڑوا، انوار ملت، چھتر پارہ، صدر العلوم، گونڈہ، جامعہ حنفیہ، بستی، جامعہ حنفیہ لکھنؤ، مدرسۃ الامام ابی حنیفۃ النعمان، سیتا مڑھی، معراج العلوم، دھرم سنگھوا، تدریس الاسلام، بسڈیلہ، غریب نواز، بیدولہ، اشرف العلوم ڈیوہاری، غوثیہ رضویہ، اگیا چھاتا، اور بہت سارے دینی مدارس کے طلبہ واساتذہ نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

اس طرح سے علم وفضل کا یہ آفتاب روپوش ہوگیا، بلاشبہہ آپ چلے گئے مگر آپ کی تدریسی خدمات، تصنیفی کارنامے اور تعمیری کوششیں ہمیشہ آپ کو زندہ رکھیں گی، اور جب تک دارالعلوم علیمیہ سلامت رہے گا شیخ القرآن کی عظمتوں کے پھریرے لہراتے رہیں۔

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

حضور شیخ القرآن سے ربط رکھنے والے چند مخصوص افراد

حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی مصباحی : آپ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی کے سینیر استاذ، جید عالم دین، علوم عقلیہ ونقلیہ میں ماہر، تجربہ کار مدرس، بہترین قلم کار، اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

حضور شیخ القرآن نے دارالعلوم علیمیہ کی تعمیر وترقی کے لیے جس متحرک و فعال ٹیم کا سہارا لیا ان میں آپ سرفہرست تھے، شیخ القرآن کو ''شیخ القرآن'' کا لقب آپ ہی کی تجویز و تحریک پر دیا گیا۔

حضرت علامہ امید علی صدیقی صاحب: آپ دارالعلوم علیمیہ کے نہایت سینیر، متحرک، اور قابل قدر استاذ ہیں، علیمی لائبریری کے جنرل سکریٹری ہیں، دینی مدارس کی تنظیم ''ٹیچرس ایسوسی ایشن آف مدارس عربیہ اتر پردیش ضلع بستی'' کے جنرل سکریٹری ہیں۔

حضور شیخ القرآن آپ پر بہت اعتماد فرماتے تھے، اکثر معاملات میں آپ سے رائے مشورہ فرماتے، عموما دوا علاج کے لیے حضرت ہی کو ساتھ لے جاتے۔

حضرت علامہ ڈاکٹر انوار احمد بغدادی صاحب : آپ دارالعلوم علیمیہ نسواں، جمدا شاہی، بستی کے صدر المدرسین اور علیمیہ جمدا شاہی کے موقر استاذ ہیں، دینی ودنیوی دونوں طرح کے علوم کے جامع، بہترین محقق، قابل قدر مصنف، اور مذہب وملت کے داعی ہیں

،حضور شیخ القرآن کو اپنے جن تلامذہ پر ناز تھا، ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔

حضرت علامہ مفتی اختر حسین صاحب قادری: آپ دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی کے موقر استاذ و مفتی، ضلع سنت کبیر نگر کے قاضئ شریعت اور متحرک و فعال عالم دین ہیں۔

شیخ القرآن نے آپ کو تفسیر کی بہت کتابیں پڑھائی ہیں، آپ پر حد درجہ شفقت وعنایت فرماتے تھے۔

حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب: آپ دارالعلوم علیمیہ کے نہایت محنتی، ذہین، اور متبحر مدرس و مفتی ہیں۔

شیخ القرآن آپ سے بے حد محبت فرماتے اور آپ کے رسوخ فی العلم کے معترف ومداح تھے۔

حضرت علامہ معین الحق علیمی صاحب قبلہ، دار العلوم علیمیہ، جمداشاهی:

حضرت علامہ معین الحق صاحب علیمی عہد طالب علمی ہی سے حضرت سے قریب اوران کے گہرے عقیدت مند رہے ہیں، اور حضرت کی مثالی طرز تدریس کے بڑے مداح ہیں، آپ نے حضور شیخ القرآن کی وہ مثالی خدمت کی ہے کہ متعدد مجالس میں خود شیخ القرآن نے بیان فرمایا کہ اگر کوئی میرا نسبی فرزند ہوتا تو شاید اتنی خدمت نہ کر پاتا۔

طویل عہد علاج میں آپ مالی ایثار کے ساتھ ممبئ میں رہائش اور ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرانے اور خبر گیری اور دیگر انتظام میں پیش پیش رہتے تھے۔

ان کے ایک بیان کے مطابق تقریباً ۲۵/سال سے شاید ہی کوئی ہفتہ ایسا گزرا ہو جس میں خط وکتابت یا فون کے ذریعہ انھوں نے حضرت کی خبر گیری نہ فرمائی ہو، انتقال کی خبر سن کر ممبئ سے بذریعہ ہوائی جہاز جنازے میں شریک ہوئے۔

پیر طریقت حضرت علامہ الحاج سید کمیل اشرف صاحب

مدظلہ العالی:

آپ حضور شیخ القرآن کے رفیق درس اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے چہیتے شاگرد ہیں، آپ کی شخصیت علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں، حلقۂ درس کی رفاقت کا آپ نے اتنا پاس ولحاظ فرمایا کہ جس کی نظیر مشکل سے دستیاب ہوگی۔

ممبئ میں دوران علاج آپ ہی کے فلیٹ میں حضرت قیام فرماتے اور دوران قیام حضرت اوران کے خدام کی ضیافت پیر طریقت مدظلہ العالی اپنے ذمۂ کرم پر رکھتے تھے۔

حضرت علامہ محمد شفیق الرحمٰن عزیزی، کنوینر ورلڈ اسلامک مشن ہالینڈ

حضرت علامہ موصوف عرصۂ دراز سے ہندوستان سے باہر اسلام وسنیت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ بھی حضرت کی خبر گیری فرماتے رہتے تھے، ان کے ایک بیان کے مطابق شیخ القرآن صاحب کے سیکڑوں خطوط ان کے پاس محفوظ ہیں، اس سے ان دونوں کے درمیان گہرے روابط کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت علامہ محمد قمر عالم قادری، شیخ الحدیث دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی، یوپی

حضرت شیخ القرآن صاحب کی ایماوتحریک پر حضرت مولانا موصوف دار العلوم علیمیہ میں تشریف لائے، یہ حضرت کے گہرے عقیدت مند شاگرد ہیں، جن پر خود حضرت کو بڑا فخر تھا۔

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد معراج الحق صاحب بغدادی، استاذ دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی

حضرت مولانا معراج الحق صاحب دور طالب علمی میں حضرت کے خادم خاص تھے، اوران کی خدمت سے متاثر ہوکر حضرت شیخ القرآن نے انھیں متبنّٰی ہونے کا شرف بخشا تھا۔

بغداد شریف میں دوران تعلیم حضرت ان کی مالی ضرورتیں پوری کرنے کی تدابیر فرماتے رہتے تھے، بعد میں بھی حضرت کی نوازشات سے وہ حصہ پاتے رہے ہیں اور انھوں نے

بھی اپنی بساط کے مطابق اخیر تک حضرت کی خدمت کی ہے۔

حضرت مولانا صوفی عبدالمطلب صاحب، مہتمم فقہ اسلامی ریسرچ سنٹر، رائے پور، چھتیس گڑھ

انھوں نے ایک طویل عرصہ تک حضرت کی خدمت کی اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی برابر رابطہ برقرار رکھا اور اپنی حیثیت کے مطابق علاج ومعالجہ میں تعاون پیش کرتے۔
حضرت کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے کے لیے رائے پور چھتیس گڑھ سے جمدا شاہی آئے اور الہ آباد سے اس لیے گاڑی ریزرو کر کے آئے تا کہ جنازے میں شرکت سے محرومی نہ ہو، حالانکہ مالی اعتبار سے وہ اس کے متحمل نہ تھے، افسوس کہ جنازے میں شرکت نہ کر سکے ۔جزاہ اللہ خیر الجزاء

عبداللہ امجدی (سابق متعلم دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی)

گذشتہ تین سالوں سے متعلم عبداللہ امجدی نے حضرت شیخ القرآن کی بڑی مثالی خدمت کی ہے، سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہ کر مقررہ وقت پر دوا وغیرہ دینا اور دیگر انتظامات سرانجام دینے کی سعادت اس طالب علم کو حاصل ہے، اس طالب علم کی خدمت سے حضرت بہت مسرور رہا کرتے تھے۔

عالی جناب الحاج سیٹھ وصی الدین خان، رکن مجلس منتظمہ دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی

اللہ جل شانہ نے الحاج سیٹھ موصوف کو دولت وسرمایہ سے نوازا ہے، ان کے والد گرامی عالی جناب الحاج معین الدین خان صاحب حضرت کے بڑے عقیدت کیش تھے، اپنے والد کی روش پر چلتے ہوئے وہ اور ان کے برادران نے حضرت کی حتی المقدر خدمت کی ہے۔
حضرت کو جمدا شاہی دوبارہ لانے میں ان کی کوششوں کا بڑا دخل ہے، اپنی تمام تر کاروباری مصروفیتوں کے باوجود ممبئی سے بذریعہ ہوائی جہاز سفر کر کے جنازہ میں شرکت کی، اور آخری ایام میں زیر علاج رہنے سے حضور شیخ القرآن علیہ الرحمہ کے ذمہ جس معالج ڈاکٹر کے

واجبات تھے جوایک خطیر رقم کی حیثیت رکھتی تھی، انھوں نے بڑی سعادت مندی اور خندہ پیشانی سے ادا کرنے کا ذمہ اٹھایا۔ (ماخوذ از مقالہ "شیخ القرآن حیات و خدمات" ماہنامہ پیام حرم جولائی و اگست ۲۰۰۹ء)

شیخ القرآن ارباب علم و دانش کی نظر میں

قائدِ اہل سنت، حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ

گرامی قدر، محترم، جناب حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی مع الخیر ہوں گے، گرامی نامہ ملا، یاد فرمائی کا شکریہ، یورپ کے تبلیغی دورے کی وجہ سے نومبر میں انڈیا کا پروگرام نہ بن سکا، ان شاء اللہ! اولین فرصت میں آنے کی سعی کروں گا۔

جامعہ علیمیہ کے لیے آپ کی کاوشیں وخدمات نا قابلِ فراموش اور تاریخ کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور دارین میں اس کا اجر عطا فرمائے، آمین! بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

جامعہ کے طلبہ کو بغداد بھیجنے میں آپ نے جو کچھ کیا ہے، وہ صدقۂ جاریہ ہے۔ ان شاء اللہ، آپ اس کے اجر سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔ جو طلبہ بغداد شریف میں زیر تعلیم ہیں، ان کے انتظامات کے سلسلے میں بات چیت ہو چکی ہے، آپ فکر نہ فرمائیں، ان شاء اللہ، وہ تعلیم جاری رکھیں گے۔

مولانا معراج الحق سلمہٗ چار سالہ کورس پورا کرنے کے بعد واپس آئیں تو آپ ان

سے ان کے علمی استعداد کے مطابق کام لیں۔

میری رائے ہے کہ مولانا احمد رضا سلمہ کو اپنی تعلیم مکمل کرنی چاہیے، انتظامات کے بارے میں آپ فکرمند نہ ہوں۔

احباب و پرسانِ حال کی خدمت میں نیازمندانہ سلام عرض ہے، آپ مجھ فقیر کو دعاے خیر میں یاد رکھیں۔ والسلام۔

فقیر شاہ احمد نورانی، صدیقی غفرلہ

کراچی، ۲۶ شعبان ۱۴۱۸ھ/ ۲ دسمبر ۱۹۹۷

شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں الاشرفی الجیلانی، دامت برکاتہم القدسیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

فاضل جلیل الشان، شیخ القرآن، علامہ عبداللہ خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے سانحۂ ارتحال کی خبر نے بے حد افسردہ کیا، زبان پر کلمۂ استرجاع جاری ہوگیا، علامہ موصوف علیہ الرحمہ کو میں ان کے عہد طالب علمی ہی سے جانتا ہوں، دارالعلوم اشرفیہ میں میں مبتدی متعلمین میں سے تھا، اور اس وقت آپ منتہی طلبہ میں تھے، اور صلاحیت ولیاقت میں اس عہد کے طلبہ میں سب سے ممتاز تھے، فراغت کے بعد انھوں نے جو علمی اور تدریسی خدمات انجام دی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، علامہ موصوف کی گراں قدر تصنیفات آپ کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی، مزید برآں سیکڑوں لائق وفائق تلامذہ آپ کی علمی یادگار ہیں، اور خاص کر کے دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی آپ کے مساعی جمیلہ کی شان دار نشانی ہے، حافظ ملت علیہ الرحمہ کی نسبت سے آپ اپنے کو ”عزیزی“ کہتے رہے، اور اسی عزیزیت کے ناطے آپ اشرفی بھی تھے، اور آپ کو اپنی اشرفیت کا کامل احساس بھی تھا، اسی لیے آپ خورد وکلاں اور اپنے پرایے کے لیے ہر دل عزیز تھے، تو دوسری طرف اپنے معاصر علما میں اشرف بھی تھے، بے شک آپ عزیزی تھے، عزیز القدر تھے،

صاحب اعزاز تھے، عزت آپ کے دامن سے وابستہ ہوئی، اور ہمیشہ وابستہ رہی اور آج بھی بفضلہٖ تعالی ہم رشتہ ہے، دعا گو ہوں کہ مولی تعالی آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور آپ کے لافانی فیوض وبرکات کو جاری وساری رکھے، اور سارے وابستگان کو صبر جمیل عطا فرمائے -آمین یامجیب السائلین، بحق طه ویٰس و بحرمة سید المرسلین وصلی الله تعالی علیه وآله وصحبه وسلم۔

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ

’’ان ہی ایام میں جب آپ رحمت وانوار کی بارش میں نہار ہے ہوں گے میں بھی پانی میں بھیگتا آپ کی جلوہ گاہ علم وفضل میں پہونچا، آپ نے ایک وادی بے گیاہ کو جس حسن اخلاق و تدبیر سے گلہائے رنگارنگ کا لالہ زار بنادیا ہے، اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا، اشرفیہ میں تو ایک باکمال مدرس کی حیثیت سے آپ البتہ جانے پہچانے جاتے تھے، لیکن یہاں پہنچ کر ایک بہترین منتظم کا پیکر آپ کو کہاں سے مل گیا، یہ ہنر آپ نے کس کونے میں چھپا رکھا تھا، خدائے قدیر آپ کے امثال ہماری جماعت میں پیدا فرمائے، سچ یہ ہے کہ علمی لیاقت اور انتظامی صلاحیت دونوں کا اقتران بہت مشکل ہوتا ہے اور جہاں ہوجاتا ہے اسے ہزاروں اور لاکھوں میں ایک کہتے ہیں، خدائے غافر وقدیر آپ کو صحت وسلامتی کے ساتھ بہت دنوں تک ہمارے درمیان زندہ رکھے اور آپ کے فیوض وبرکات کا بادل ہماری امیدوں کی کھیتیوں پر برستا رہے۔ آمین!‘‘

بحر العلوم، حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی صاحب علیہ الرحمہ

’’ہمارے مکرم ومحترم، حضرت مولانائے ذیجاہ، محمد عبداللہ خاں صاحب عزیزی، گونڈوی، شیخ الحدیث دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، ہر طرح اس کے اہل اور مستحق ہیں کہ

ان امور میں اہل اسلام کی رہنمائی فرمائیں کہ قرآن عظیم آپ کی ذاتی دلچسپی کا خصوصی مضمون ہے، حدیث وفقہ آپ نے زندگی بھر پڑھائی ہے، قانون اسلام پر مبصرانہ نگاہ ہے، اور موجودہ معاشی مسائل سے بھی آپ غافل نہیں، ہندوستان میں موجودہ علمائے اہل سنت میں آپ کی شخصیت امتیازی شان رکھتی ہے"۔

حضرت علامہ غلام عبدالقادر علوی، ناظم اعلیٰ دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف، سدھارتھ نگر

مجھے حضرت شیخ القرآن صاحب علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ پر فخر ہے، اور یہ بات بھی میرے لیے قابل فخر ہے کہ حضرت اخیر عمر تک میرے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے، مجھے یاد آتا ہے کہ دور طالب علمی میں حضور والا ہم لوگوں کی معمولی کامیابی پر اپنی مسرتوں کا اظہار فرماتے تھے، اگر آج میرے اندر کچھ فضل وکمال ہے تو اس میں میرے اساتذۂ کرام کی شفقتوں اور حوصلہ افزائیوں کا بڑا دخل ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرسکا، لیکن تدفین کے بعد ہی سہی ان کی آستاں بوسی میرے لئے باعث سعادت ہے، رب کریم ان کی تربت انور پر رحمت ونور کی بارش فرمائے آمین!

حضرت علامہ غلام محی الدین سبحانی صاحب علیہ الرحمہ، مہتمم دار العلوم اہل سنت اعجاز مصطفیٰ، قدم رسول شریف، قصبہ گوراچوکی، گونڈہ، یوپی

حضرت استاذ العلما، سند المدرسین، شیخ القرآن، علامہ عبداللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ

اپنے دور کے ممتاز استاذ تھے، عالم شباب میں ملک و بیرون ملک کی عظیم دینی درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کے بہت اچھے استاذ رہ چکے تھے، جلالۃ العلم، حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تلمیذ رشید تھے، بابائے قوم وملت محافظ سنیت علامہ مفتی عتیق الرحمٰن علیہ الرحمہ کے بھی شاگرد تھے۔

آپ کے وصال پر ملال سے صرف دارالعلوم علیمیہ ہی کو غم نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو غم ہے، اللہ رب العزت اپنے حبیب پاک علیہ السلام کے صدقے میں آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کی قبر پر رحمت ونور کی بارش فرمائے، آمین! بجاہ حبیبہ الکریم۔

حضرت علامہ مفتی عبدالسلام صاحب، تلشی پور

حضرت شیخ القرآن صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہٗ علم کے وہ کوہ گراں تھے، جس کے انوار وتجلیات ہر چہار جانب پھیلے ہوئے ہیں، معقولات ومنقولات بالخصوص فن تفسیر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، اسی فن تفسیر میں انفرادیت کی وجہ سے آپ کو شیخ القرآن کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ القرآن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا خصوصی کرم مجھ پر تھا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں جس وقت میں طالب علم تھا، حضرت خاص کرم فرماتے اور حضرت نے دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی میں اپنے زیر سایۂ کرم تدریس کا موقع کامل طور پر عطا فرمایا، یہ حضرت کی خوردنوزی ہے، یہ خوبی حضرت شیخ القرآن صاحب کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھی، حضرت شیخ القرآن صاحب نور اللہ مرقدہ نے جمدا شاہی میں قدم رکھتے ہی اپنی خداداد صلاحیت کی وجہ سے دارالعلوم علیمیہ کو ترقی کی راہ پر کامل طور پر گامزن فرمادیا، تعلیم، خاص طور پر لائبریری کے فروغ وارتقا کی طرف کامل طور پر توجہ فرمایا اور اس کو اوج ثریا پر پہونچادیا، بہر کیف دارالعلوم علیمیہ کا کامل باغ وبہار، یہ حضرت شیخ القرآن صاحب قبلہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

خداوند قدوس حضرت کا فیض جاری وساری فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے ۔آمین!

دعا جو: عبدالسلام قادری عفی عنہ

حضرت علامہ محمد سعید نورانی صاحب، ہنومان گنج

حضور شیخ القرآن قدس سرہ کو تمام علوم مروجہ پر درک حاصل تھا، لیکن علم تفسیر اور علم کلام میں اپنی مثال آپ تھے، علوم قرآن وتفسیر کے نکات کے بیانات سے متاثر ہوکر دارالعلوم علیمیہ کے موجودہ پرنسپل، فضیلۃ الاستاذ، الحاج فروغ احمد صاحب اعظمی نے انھیں ''شیخ القرآن'' کے لقب سے ملقب کرنے کا مشورہ اساتذۂ دارالعلوم کی خدمت میں پیش کیا، اور سبھی اساتذۂ کرام نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اتفاق رائے سے قبول کیا، پھر کیا تھا کہ گویا وہ لقب آپ کے نام کے ساتھ ایسا مشہور ہوا کہ فی زمانہ شیخ القرآن جہاں کہیں بھی بولا جاتا ہے حضور والا ہی کی جانب لوگوں کا ذہن ودماغ جاتا ہے۔

دعا ہے کہ رب قدیر ہم سب غم زدہ عقیدت مندوں کو صبر جمیل عطا فرما کر ان کا نعم البدل نصیب فرمائے اور ان کی تربت پر رحمت وانوار کی بارش فرمائے۔ آمین! بجاہ النبی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

۲۰ر شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲ر جولائی ۲۰۱۱ء

حضرت مولانا نورالہدی مصباحی، دھرم سنگھوا

ہمارے تمام اساتذہ الحمدللہ مشفق واقع ہوئے ہیں، جس دن حضرت اشرفیہ سے تشریف لائے اسی دن میں داخلہ کی غرض سے علیمیہ گیا تھا، حضرت نے مجھے ثانیہ کے لائق قرار دیا، بعد میں حضرت علامہ شفیق الرحمٰن صاحب نے بھی مجھے اسی جماعت کے لائق قرار دیا۔

حضرت تعلیم کے معاملے میں بہت سخت تھے، بغیر مطالعہ نہ سبق پڑھاتے نہ کسی کو پڑھانے دیتے، میں اکثر حضرت کی خدمت کرتا، دوران خدمت حضرت مجھ سے کسی فن یا کتاب کے بارے میں سوال فرماتے، اور اس طرح میرا سبق پختہ ہوجاتا۔

طلبہ پر بڑے رحم دل تھے، تعطیل کلاں میں جب گھر جاتے تو تمام طلبہ کو اکٹھا کر کے

ان سے معافی مانگتے ،طلبہ کا کھانا گھٹ جاتا تو فکر مند ہو جاتے۔
علیمیہ کی تعمیر و ترقی کے لیے ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔

◆◆◆